زہد: مفہوم اور تقاضے

صحیح مسلم کا خصوصی مطالعہ

تالیف:

ڈاکٹر سعید الرحمٰن

علوم اسلامیہ وعربی

کریا یونیورسٹی، ملتان

زُہد: مفہوم اور تقاضے

صحیح مسلم کا خصوصی مطالعہ

تالیف: ڈاکٹر سعید الرحمٰن

اُستاد ادارہ علوم اسلامیہ و عربی

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

بیکن بُکس

BEACON BOOKS

• غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 042-37320030

• گلگشت کالونی، ملتان فون: 061-6520790-6520791

E-mail:info@beaconbooks.com.pk

Web: www.beaconbooks.com.pk

297.1294 سعید الرحمٰن، ڈاکٹر
زُہد: مفہوم اور تقاضے/ ڈاکٹر سعید الرحمٰن
ملتان، لاہور -: بیکن بکس، 2009ء
ص168
1. حدیث

اشاعت : 2010ء

عبدالجبار نے
حاجی حنیف اینڈ سنز پرنٹنگ پریس لاہور
سے چھپوا کر بیکن بکس ملتان-لاہور
سے شائع کی۔

قیمت : مجلد -/140 روپے
غیر مجلد -/90 روپے

ISBN : 978 - 969 - 534 - 186 - 5

فہرست

عرض مؤلف

یقیناً ناانصافی ہوگی اگر محدثین کرام کی ان مساعی کو فراموش کر دیا جائے جن کی بدولت امت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اسوہ حسنہ سے آگاہی حاصل ہوئی۔ ان محدثین کرام نے مختلف پہلوؤں سے احادیث کو جمع کیا اور دینی ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔

ان محدثین میں امام ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ اور ان کے شاگرد امام مسلم بن حجاج قشیریؒ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ امام مسلمؒ کی کتاب "الصحیح" اپنے حسن ترتیب کی وجہ سے صحیح بخاری پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کی توضیح و تشریح پر اس قدر کام نہیں ہوا جس قدر صحیح بخاری پر ہوا۔ بعض شروحات تو نامکمل ہیں۔

زیر نظر کتاب میں صحیح مسلم کے تقریباً آخر میں زہد کے حوالہ سے مذکورہ احادیث پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ عام طور پر اس عنوان کے تحت آنے والی بعض احادیث کی اردو زبان میں جو شرح کی گئی ہے، وہ نہ صرف تشنہ طلب ہے، بلکہ اس سے ابھرنے والی تصویر کسی طور پر دین حق کی درست ترجمانی نہیں کرتی۔

اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ احادیثِ زہد کی وضاحت اسلام کے حقیقی مزاج اور قرآن و حدیث کے وسیع تر تناظر میں کی جائے۔ اس سلسلے میں صحیح مسلم کی دستیاب شروح سے استفادہ کے علاوہ دیگر اہم کتب سے بھی مدد لی گئی ہے۔

اس عنوان کے تحت احادیث کی جو وضاحت کی گئی ہے۔ وہ در حقیقت اس فیض کا نتیجہ ہے جو راقم الحروف نے اپنے معزز اساتذہ کے علاوہ خانقاہ عالیہ رائے پور سے حاصل کیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ زیر نظر کتاب کو اہل علم کے ہاں پذیرائی حاصل ہو گی، ان کے مشوروں اور تبصروں کا انتظار رہے گا۔

ڈاکٹر سعیدُالرحمٰن
فاضل درسِ نظامی، تخصص فی الفقہ
ایل ایل ایم (شریعہ) پی ایچ ڈی۔

زہد: مفہوم اور تقاضے

زُہد کسی چیز سے بے رغبتی اور عدم دلچسپی کا نام ہے۔ (۱) اسلام اپنے پیروکاروں سے اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ دنیا اور اس سے متعلقہ اشیاء میں اس قدر منہمک نہ ہوں کہ ان کی حقیقی منزل ان کی نظروں سے اوجھل ہو جائے، زہد کا قطعی طور پر مفہوم یہ نہیں ہے کہ انسان اس دنیا میں جوگیانہ یا سادھوانہ زندگی بسر کرے اور دنیاوی نعمتوں سے کنارہ کشی اختیار کرلے، چنانچہ قرآن حکیم میں انسانی فلاح وکامیابی کی جو تعلیم دی گئی اس کا تعلق دنیا وآخرت دونوں سے ہے، دنیا سے بے رغبتی نہ توکسی حلال کے حرام قرار دینے میں ہے اور نہ ہی مال ضائع کرنے میں ہے، دنیا سے بے رغبتی کا مفہوم یہ ہے کہ اپنی زیر تحویل اشیاء پر اللہ کے براہِ راست قبضہ میں موجود اشیاء کے مقابلے میں زیادہ بھروسہ نہ ہو نیز درپیش مصیبت کے ثواب حاصل کرنے میں زیادہ رغبت ہو۔ (۲) ایک حدیث میں زہد کے مفہوم کو یوں واضح کیا گیا ہے کہ

(i) تم وہی پسند کرو جو تمہارے خالق کی پسند ہے اور اس سے نفرت کرو جس سے تمہارے خالق کو نفرت ہے۔

(ii) دنیا کی حلال چیزوں (کے فضول استعمال) سے بھی اس طرح دُور رہو جیسے حرام چیزوں سے اجتناب برتتے ہو کیونکہ دنیا کی حلال چیزوں کے استعمال پر محاسبہ اور حرام چیزوں کے استعمال پر عذاب ہوگا۔

(iii) تمام مسلمانوں سے اس طرح رحم و شفقت اور مواسات و ہمدردی کا برتاؤ کرو جیسے اپنے آپ سے ہمدردی رکھتے ہو۔

(iv) فضول گوئی سے اس طرح پرہیز کرو جیسے حرام سے پرہیز کرتے ہو۔

(v) بسیار خوری سے اس طرح اجتناب برتو جیسے تم انتہائی بدبودار مردار سے بچتے ہو۔

(vi) دنیا کی متاع و زینت (میں انہماک) سے اس طرح بچو جیسے تم آگ سے دُور رہتے ہو اور

(vii) دنیا کے بارے میں اپنی امیدیں مختصر رکھو۔ (۳)

گویا ان تعلیمات نبوی کی روشنی میں یہ کہنا درست ہوگا کہ زہد درحقیقت انسانی رویوں کے متوازن ہونے کا دوسرا نام ہے۔ جہاں تک قرآن و حدیث میں وارد دنیا کی مذمت کا تعلق ہے تو اس بارے میں محققانہ رائے یہ ہے کہ دنیا کی مذمت سے مقصود، زمانہ کی مذمت نہیں جو لیل و نہار کی گردش کی صورت میں تاقیامت رہے گا کیونکہ شب و روز کو تو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے پیچھے آنے والا بنایا ہے ان کے لیے جو سمجھنا چاہیں یا شکر کرنا چاہیں۔ (۴) کہ سمجھنے والے کے پیش نظر استدلالات ہیں اور شکر گزاری کرنے والے کی نظر میں انعامات ہیں (۵) اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد اقدس ہے کہ شب و روز میں وہ کام کرو جن کے لیے ان

کی تخلیق ہوئی ہے، اسی طرح مذمتِ دنیا کا تعلق جائے دنیا یعنی زمین سے نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کے لیے مسکن اور گھوارہ بنایا ہے، نہ ہی ان نعمتوں سے مذمتِ دنیا کی کوئی نسبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں پہاڑوں، سمندر، نہروں، کانوں اور پیداوار وغیرہ کی صورت میں رکھ دی ہیں اور نہ ہی اس میں پھیلے ہوئے جانوروں اور پرندوں سے دنیا کی مذمت کا کوئی تعلق ہے بلکہ یہ تو اللہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں جن میں اس کے بندوں کے لیے ان کے بنانے والے کی وحدانیت اور اس کی قدرت و عظمت کے بارے میں غور و فکر اور استدلال کی بنیاد موجود ہے۔

در حقیقت مذمتِ دنیا کا تعلق اولادِ آدم کے ان افعال و اعمال سے ہے جو دنیا میں وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر انجام کار کے اعتبار سے باعث زیاں یا بے سود ثابت ہوتے ہیں یعنی وہ افعال لائق مذمت ہیں جو نقصان دہ یا غیر مفید ثابت ہوتے ہیں (۶) للذا یہ کہنا قطعاً درست نہیں کہ اسلام دنیاوی امور میں انسانی کردار کی نفی کرتا ہے اور انہیں معاشرتی عمل سے علیحدگی کی تلقین کرتا ہے تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کہ اسلام دینِ فطرت ہونے کے ناطے سرمایہ پرستی کی نفی ضرور کرتا ہے۔ (۷) کہ اس رویے سے معاشرے میں بے چینی جنم لیتی ہے اور افراد معاشرہ میں طبقاتی کشمکش فروغ پاتی ہے، چنانچہ علماء سلف میں بھی زہد کا یہی مفہوم رہا ہے۔ اور انہوں نے بھی تنگ دستی اور تنگ دامنی کو زہد قرار نہیں دیا چنانچہ سفیان ثوریؒ کہتے ہیں:

اپنی امیدوں کو اپنے حدود میں رکھنا اور انہیں اپنی (اوسط) مدت عمر سے زیادہ طول نہ دینا زہد ہے، سخت کھانا اور موٹا پہننا زہد نہیں ہے۔ ابن حلادؒ کہتے ہیں کہ دنیا کو اس نقطۂ نظر سے دیکھنا کہ اس پر زوال آئے گا زہد ہے اور اس طرح دنیا سے بے رغبتی سہل اور آسان ہو جاتی ہے گویا زہد کا تقاضہ بالفاظ دیگر عاقبت اندیشی اور انجام بینی ہے۔ جنید بغدادیؒ کا قول ہے کہ زہد ان چیزوں کی محبت سے دل خالی

ہونے کا نام ہے جن سے ہاتھ خالی ہوں یعنی حرص و لالچ سے مبرا صفت قناعت کا نام زہد ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کے آ جانے پر (حد سے زیادہ) خوش نہ ہونا اور اس کے جانے پر (ضرورت سے زیادہ) غم زدہ نہ ہونا ہی زہد ہے، جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ایک ہزار دینار کا مالک زاہد ہو سکتا ہے؟ فرمایا ہاں! بشرطیکہ اس سے زیادہ ملنے پر اسے (آپے سے باہر کرنے والی) خوشی نہ ہو اور کم ہونے پر (دل سے لگا لینے والا) غم نہ ہو۔ چنانچہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام اپنے زمانہ کے سب سے بڑے زاہد تھے حالانکہ ان کے پاس مال و دولت اور دنیا کی بادشاہت تھی، حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم باوجود صاحب مال ہونے کے زاہد تھے، اسی لیے ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ آخرت کے حوالے سے غیر نفع بخش امور ترک کرنے کا نام زہد ہے۔ (۸)

گویا زہد کا مقصد اپنی جائز ضروریات کی تکمیل سے باز رہنا نہیں بلکہ دنیا اور اس سے متعلقہ امور سے قلبی تعلق قائم نہ کرنا ہے کیونکہ اسی تعلق سے دنیا میں فساد کی آبیاری ہوئی ہے (۹) اسلام نے تو دنیا میں رزق حلال کی سعی و طلب پر زور دیا ہے اور اس کو خدا کے فضل سے تعبیر کیا ہے (۱۰) نہ صرف یہ بلکہ اس کو فرائض میں شمار کیا ہے (۱۱) یہی سبب ہے کہ امام مالکؒ نے مال حلال حاصل کرنے کی جد و جہد اور ایک دائرہ میں رہتے ہوئے اپنی آرزوؤں کے مختصر رکھنے کو زہد قرار دیا ہے (۱۲) لہٰذا کسی کا اپنے پاس اپنی جائز ضروریات زندگی کی تکمیل کی خاطر مال رکھنا زہد کے منافی نہیں نہ صرف یہ بلکہ یہ تو دور حاضر کی ضرورت ہے چنانچہ سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ ماضی میں مال و دولت کو ناپسند کیا جاتا تھا لیکن آج یہ صاحب ایمان کی ڈھال ہے

اور اگر ہمارے پاس مال نہ ہو تو حکومت وقت ہمیں بطور رومال کے استعمال کرے یعنی اپنی کوتاہیوں اور زیادتیوں کی پردہ پوشی کے لیے ہماری بے بسی اور محتاجگی سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر اپنے اقتداری مقاصد کے لیے ہمیں کھلونا بنا لے (۱۳) جیسا کہ دورِ حاضر میں بھی اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ صاحبان جاہ و مال اہل علم و دانش کی صلاحیتوں کی قدر افزائی کے نام پر ان سے اپنے لیے سند جواز حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسی بناء پر سفیان ثوریؒ کا یہ مشورہ تھا کہ جس کے پاس مال ہو وہ اسے ضائع نہ کرے کیونکہ یہ دور ایسا ہے کہ انسان محتاج ہونے کی صورت میں سب سے پہلے اپنے دین کا سودا کرتا ہے۔ (۱۴)

چونکہ اسلام نے رہبانیت کی نفی کی ہے اور انسانی معاشرے کے لیے متوازن ضابطہ حیات عنایت کیا ہے اس لیے اس کے نزدیک دنیوی مال و متاع کے حصول کی ممانعت نہیں بشرطیکہ اس کا حصول ناجائز وسائل کے ذریعے نہ ہو اور حاصل شدہ دولت پر عائد اجتماعی حقوق کی ادائیگی سے گریز کی راہ نہ اپنائی جائے لہٰذا یہ کہنا کسی طور درست نہیں کہ اسلام نے دنیوی امور میں دخیل ہونے سے روکا ہے بلکہ اس کے برعکس رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ فاقہ کرنا میرے صحابہ کے لیے تو سعادت تھا لیکن آخری زمانے میں صاحب ایمان کا غنی ہونا یعنی اس کا اپنے پاؤں پہ کھڑے ہو کر اپنی ضروریات احسن انداز سے پوری کرنا سعادت و خوش بختی ہوگا (۱۵) اور جو دنیوی مال و متاع سے اپنی ضرورت اور حق کے بقدر لے گا وہ اس کے لیے بہترین سہارا ثابت ہوگا اور اس میں اسے برکت ہوگی ۔(۱۶)

الغرض اسلام نے دنیا و آخرت دونوں سے اپنا حصہ وصول کرنے والے معاشرہ کو بہتر قرار دیا ہے (۱۷) اور یہ واضح کر دیا ہے کہ دنیا کو مذموم قرار نہ دیا

جائے کہ وہ صاحب ایمان کے لیے بہتر سواری کی مانند ہے کہ اس کے ذریعے وہ کارِ خیر انجام دیتا ہے اور اس کے بدولت شر سے نجات حاصل کرتا ہے (۱۸) لیکن یہ ضروری ہے کہ آخرت کی منزل مقصود پر دنیا کے عارضی مسکن کو ترجیح دینے کے رویہ سے گریز کیا جائے کہ یہ رویہ عاقبت نااندیش اور تنگ نظر افراد کا ہوتا ہے جب کہ صاحب ایمان کی نظریں اس جہان سے آگے کے جہان تک وسیع ہوتی ہیں اور عاقبت اندیشی اس کی خصوصیت ہوتی ہے اسی بنا پر حدیث میں ارشاد ہے کہ دنیا کا گھر اس کے لیے بہتر ہے جو اس سے آخرت کا زادِ راہ حاصل کرے یہاں تک کہ اس کے ذریعے رضائے الٰہی کے مقصد تک جا پہنچے اور دنیا کا مسکن اس کے لیے برا ہے جس کے لیے وہ آخرت کی راہ میں رکاوٹ بن جائے اور جو اسے اپنے پروردگار کی رضا کے حصول میں کوتاہ رکھے اور جب کوئی شخص اپنی بد عملی کا ذمہ دار دنیا کو قرار دے کر اسے برا بھلا کہتا ہے تو دنیا جواب میں کہتی ہے کہ ناس ہو اس نے ہی ہمیں اپنے رب کا نافرمان بنایا (۱۹)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ زہد درحقیقت سرمایہ پرستی اور رہبانیت کے مابین حقیقت کا دوسرا نام ہے جس کا اپنانا ہر صاحب ایمان کے لیے سعادت اور ہر معاشرہ کی فلاح کا ذریعہ ہے۔ اب ہم صحیح مسلم کے حوالہ سے زہد کی احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں۔

دنیا کی حیثیت:

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ يَعْنِي الدَّرَاوَرْدِيَّ عَنْ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دنیا صاحب ایمان کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت ہے۔)

یہ حدیث اس حقیقت کی نشان دہی کر رہی ہے کہ اس دنیا میں صاحب ایمان کی زندگی نظم و ضبط کے ساتھ بسر ہونی چاہیے، جب کہ کافر کی زندگی اس نوعیت کے نظم و ضبط سے عاری ہوتی ہے اور وہ شتر بے مہار کی مانند ہوتا ہے پھر چونکہ صاحب ایمان کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ یہی جہاں سب کچھ نہیں بلکہ ایک جہاں اور بھی ہے جہاں کی زندگی دائمی اور تکالیف و مصائب سے مبرا ہے اس لیے اس کو یہ دنیا قید خانہ محسوس ہوتی ہے کہ یہاں انسان کو کئی قسم کی کلفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب کہ کافر کی نظر محدود اور تنگ ہوتی ہے، وہ اس جہاں کے علاوہ کسی اور زندگی پر یقین نہیں رکھتا۔ اسی لیے وہ اس دنیا کو اپنے لیے جنت سمجھتا ہے کہ اس کے بعد تو فنا ہی فنا ہے، گویا مومن کی مثال قید خانہ میں محبوس اس شخص کی مانند ہے جسے یہ یقین ہے کہ اس چاردیواری سے باہر ایک آزاد اور وسیع دنیا بھی ہے (۲۰) ظاہر ہے کہ اسے یہ چاردیواری قید خانہ محسوس ہوگی اور کبھی بھی اس کی اس کے ساتھ دلی وابستگی پیدا نہیں ہوگی جب کہ کافر کی نوعیت اس مقید شخص کی سی ہے جس کو باہر کی دنیا کا علم ہی نہیں اور وہ اپنی چاردیواری کو ہی کل کائنات سمجھتا ہے، اسی لیے اس کے نزدیک وہی جنت ہے اور یوں اس کے ساتھ اس کا قلبی لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ حکایت ہے کہ ایک پراگندہ حال یہودی نے ایک خوش لباس مسلم عالم دین کو دیکھ کر کہا کہ کیا تم لوگ اپنے نبی سے یہ روایت نقل نہیں کرتے کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے، اس کے باوجود تم میرا اور اپنا موازنہ کر لو (یعنی میری حالت خستہ اور تمہاری حالت عمدہ ہے) اس پر اس عالم دین نے جواب دیا کہ جب تم اسی کفر کی حالت پر مر کر آخرت کے عذاب میں مبتلا ہو گے تو احساس ہوگا کہ دنیا تو تمہارے لیے جنت تھی اور جب میں اسلام کی حالت میں انتقال کروں گا تو آخرت کی نعمتوں کا مشاہدہ کر کے یقیناً یہی تصور کروں گا کہ دنیا تو میرے لیے قید خانہ تھی (۲۱)۔

بہر کیف مذکورہ حدیث کا یہ منشاء نہیں ہے کہ مسلمان دنیوی حوالے سے اپنی بہتری کی کوشش نہ کریں اور دنیوی نعمتوں کے استفادے سے اپنے آپ کو محروم کرلیں بلکہ اس کے بر عکس قرآن حکیم کا فرمان تو یہ ہے کہ دنیا کی تمام مادی نعمتیں در حقیقت اہل ایمان کے فائدہ کے لیے ہی پیدا کی گئی ہیں (۲۲) اور یہ کہ تمام اشیاء عالم تمام انسانوں کی ملکیت ہیں کہ وہ ان کو اپنے کام میں لائیں (۲۳) اور اپنی ضروریات پوری کریں، چنانچہ اس دعاء کو مدح کے اُسلوب میں ذکر کیا گیا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں اس دنیا میں بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عنایت کر (۲۴) لہٰذا اہل ایمان کی ذمہ داری ہے کہ وہ آخرت کی فلاح کے حصول کے حقیقی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا کی بہتری کے لیے بھی سعی و کاوش کریں، آخر اس دنیا میں موجود قید خانوں کے باسی بھی تو اپنی حالت بہتر بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور دنیا میں ان کی جدو جہد کو نہ صرف بنظر تحسین دیکھا جاتا ہے بلکہ ان کی حمایت میں ہر پلیٹ فارم پر آواز بلند کی جاتی ہے اور آج تک کسی صاحب عقل و دانش نے یہ نہیں کیا کہ قید خانہ کی حالت جوں کی توں یا عقوبت خانہ کی سی ہونی چاہیے یا اسے انسانیت کی تذلیل کا مرکز ہونا چاہیے۔ چونکہ ہمارے معاشرے میں قید خانوں کی حالت انتہائی غیر تسلی بخش ہے اس لیے اس پس منظر میں زیر بحث حدیث سے یہ تاثر قطعاً نہیں اُبھرنا چاہیے کہ مسلمان کو ازروئے شرع و دین یہاں شکستہ حال اور آزردہ خاطر رہنا چاہیے کیونکہ یہ تاثر ہمارے گردو پیش کے ماحول کا پیدا کردہ ہے جس کا ارشاد نبوی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ قرآن و حدیث کی نصوص تو دیندار افراد کو دنیوی جدو جہد اور طلب معاش کی کاوشوں کی ضرورت کا بھی احساس دلاتی ہیں چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ جب نماز مکمل کرلو تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کے رزق کو تلاش کرو (۲۵) اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلال معیشت کی سعی و طلب کو اللہ کے فریضۂ عبادت کے بعد سب سے بڑا فریضہ قرار دیا ہے بلکہ آپ نے

تو بعض گناہوں کا کفارہ بھی صرف طلب معیشت کی فکر اور جد و جہد میں مضمر قرار دیا ہے (۲۶)۔

فائدہ: سند میں "نا" اور "ثنا" حدثنا کے اور "انا"، اخبرنا کے مخفف کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، امام مسلم کے ہاں "حدثنا" اس وقت استعمال ہوتا ہے جب استاد حدیث بیان کرے اور شاگرد سنے جب کہ "اخبرنا" اس صورت میں ذکر کیا جاتا ہے جب شاگرد کلمات حدیث ادا کرے اور استاد محو سماعت ہو۔

دنیا کی حقیقت:

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ يَعْنِي ابْنَ بِلَالٍ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِالسُّوقِ دَاخِلًا مِنْ بَعْضِ الْعَالِيَةِ وَالنَّاسُ كَنَفَتَهُ فَمَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ فَتَنَاوَلَهُ فَأَخَذَ بِأُذُنِهِ ثُمَّ قَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هَذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ فَقَالُوا مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ وَمَا نَصْنَعُ بِهِ قَالَ أَتُحِبُّونَ أَنَّهُ لَكُمْ قَالُوا وَاللَّهِ لَوْ كَانَ حَيًّا كَانَ عَيْبًا فِيهِ لِأَنَّهُ أَسَكُّ فَكَيْفَ وَهُوَ مَيِّتٌ فَقَالَ فَوَاللَّهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللَّهِ مِنْ هَذَا عَلَيْكُمْ۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ وَإِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَرْعَرَةَ السَّامِيُّ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ يَعْنِيَانِ الثَّقَفِيَّ عَنْ جَعْفَرٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ الثَّقَفِيِّ فَلَوْ كَانَ حَيًّا كَانَ هَذَا السَّكَكُ بِهِ عَيْبًا۔

(جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی عالیہ کی طرف سے داخل ہوتے ہوئے بازار سے گزرے (عالیہ وہ گاؤں جو مدینہ کے باہر بلندی پر واقع ہیں) اور لوگ آپ کے ایک طرف یا دونوں

طرف تھے۔ آپ کا بکری کے چھوٹے کان والے مردہ بچے کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے اسے کان سے پکڑا پھر فرمایا تم میں سے کون ایک درہم میں اسے لیتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہم کسی چیز کے بدلے میں بھی اس کو لینا نہیں چاہتے اور ہم اس کو کیا کریں گے۔ آپ نے فرمایا تم چاہتے ہو کہ یہ تم کو مل جائے لوگوں نے کہا قسم خدا کی اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی اس میں عیب تھا کہ کان اس کے بہت چھوٹے ہیں پھر مرے ہوئے کو کون لے گا، آپ نے فرمایا قسم خدا کی اللہ جل جلالہ کے نزدیک دنیا اس سے بھی زیادہ بے وقعت ہے جتنا یہ تمہارے نزدیک ہے۔)

اس حدیث میں دنیا کی اللہ تعالیٰ کی نظروں میں قدر و قیمت بتائی گئی ہے کہ جس طرح لوگ بکری کے مردار اور عیب دار بچے کو کسی قیمت لینا گوارا نہیں کرتے، اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا بے وقعت ہے اور اسی طرح جن لوگوں کی تمام زندگی کا ماحصل اس دنیا کے فوائد سمیٹنا ہوتا ہے وہ بھی کوئی وزن نہیں رکھتے لہٰذا صاحب ایمان افراد کو اپنی نظر وسیع رکھتے ہوئے اپنی کاوشوں کی منزل اور نصب العین اس جہاں کے علاوہ اگلا جہاں بنانا چاہیے، اس دنیا کی مثال درحقیقت منزل تک پہنچنے والے راستہ کی سی ہے لہٰذا راستہ کو راستہ ہی جاننا چاہیے، اس کو منزل مقصود قرار دینا درحقیقت عاقبت نااندیشی اور حدیث کے نقطۂ نظر سے ایک مردہ اور ناکارہ چیز کو اپنی بیش قیمت عمر کے بدلے خریدنا ہے جو ہر لحاظ سے گھاٹے کا سودا ہے۔

اس حدیث سے انسانی زندگی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوتا ہے، اگر اس کو صرف کر کے انسان محض دنیا کی محدود زندگی کو سنوارے گا تو گویا اس نے عمر بھر کی کمائی سے ایک عارضی چیز حاصل کی ہے، انسانی زندگی کی اہمیت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اس سے ایسی چیز خریدی اور حاصل کی جائے جو پائیدار اور بیش قیمت ہو اور وہ یہی ہے کہ اس دنیا میں انفرادی طور پر ایسی ذہن سازی اور اجتماعی طور پر ایسا معاشرہ قائم کیا

جائے جس کی نظر میں یہ دنیا دار العمل ہو اور اس کی تگ و دَو کی منزل آخرت کی فلاح کا حصول ہو۔ (۲۷)

اس نوع کی احادیث کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس جہان سے دلی وابستگی پیدا ہو کر مسلمانوں میں راہ خدا میں جان نثار کرنے کا جذبہ مضمحل اور معدوم ہو جائے، اس لیے کہ ایک مسلمان سب سے پہلے اس دنیا میں حق کے غلبہ کے مشن کے لیے اللہ کا سپاہی ہے اور اس کے بعد اس کی دیگر حیثیات ہیں اور اس کے دل میں جذبات جہاد اسی وقت موجزن رہ سکتے ہیں جب وہ اس دنیا کو اپنا محور بنانے کی بجائے آخرت میں کامیاب اور ابدی زندگی کو اپنا مرکز بنائے، گویا جہاد کے قیام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے بقاء کی خاطر از بس ضروری ہے کہ تمام افرادِ ملت یہ یقین کریں کہ ان کی زندگی اجتماعی نظامِ حیات کے ساتھ وابستہ ہے اور ان کے قویٰءِ عملی خود اپنے لیے نہیں ہیں بلکہ اسلامی معاشرہ کے استحکام کے لیے ہیں اور اسی لیے ان کی معاشی زندگی کے لیے بڑی حد تک سٹیٹ خود کفیل ہوتی ہے (۲۸) چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت میں جب مال کی فراوانی ہو گئی تو حکومتی کارکنوں، قاضیوں اور ان کے اہل و عیال اور دیگر متعلقین کے وظائف مقرر کر کے مسلمانوں پر مال جمع کرنے، کاشتکاری اور زمینداری کرنے پر پابندی لگا دی گئی تاکہ تمام قوم مشنری بن جائے اور اس طرح ہر وقت کوچ کے لیے تیار رہے کہ ان کو نہ کھیتی کا انتظار روک سکے اور نہ خوش عیشی اور عیش کوشی رکاوٹ بنے ۔(۲۹)

اس حدیث میں دنیا کو ایک مردار جانور سے تشبیہ دی گئی ہے گویا دنیا کی حرص و ہوس میں مبتلا افراد کی مثال مردار خور جانوروں کی سی ہے کہ ان کی طبیعت میں خست اور کمینہ پن آ جاتا ہے بلکہ ایک اور حدیث ''الدنیا جیفتہ و طالبھا کلاب'' میں تو ایسے افراد کو کتوں سے تشبیہ دے کر اس جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ جس

طرح اس نوع کے جانوروں میں اپنے ہم جنسوں سے نفرت اور عداوت ہوتی ہے اور بڑے سے بڑے مردار جانور پر اپنی اجارہ داری کے لیے ایک دوسرے کو بھونکتے اور بھنبھوڑتے ہیں، یہی حالت دنیا کی طلب میں سرگرداں اور اس کے وقتی مفادات کو کل کائنات سمجھنے والے سرمایہ پرستوں کی ہوتی ہے کہ وہ مبنی بر انصاف تقسیم مال کی بجائے برادر کشی کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی بالادستی بلکہ اجارہ داری قائم کرنے کے لیے جائز و ناجائز حربے استعمال کرنے کو اپنا حق تصور کرتے ہیں۔

فائدہ: امام مسلم نے سلیمان کے والد کا نام "یعنی ابن بلال" کہہ کر ذکر کیا ہے گویا یہ نام انہوں نے اپنے استاذ عبداللہ بن مسلمہ بن قعنب سے بغیر والد کے نام کے سنا تھا، نیز عبدالوہاب کے بعد "ثقفی" کا ذکر "یعنیان" سے کیا گویا یہ نسبت انہوں نے اپنے اساتذہ سے نہیں سنی، علاوہ ازیں جعفر سے روایت کرنے والے دو حضرات ہیں اور عبدالوہاب ثقفی کی روایت میں اس جملہ کا اضافہ بھی ہے "فلوکان حیا کان ھذا السکک بہ عیبا" اگر یہ (بکری کا بچہ) زندہ ہوتا تو یہ چھوٹے کان عیب ہوتے۔

تکاثر کا مفہوم:

حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا قَتَادَةُ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقْرَأُ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ قَالَ يَقُولُ ابْنُ آدَمَ مَالِي مَالِي قَالَ وَهَلْ لَكَ يَا ابْنَ آدَمَ مِنْ مَالِكَ إِلَّا مَا أَكَلْتَ فَأَفْنَيْتَ أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَيْتَ أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَيْتَ.

(مطرف کے والد سے روایت ہے کہ وہ کہتے تھے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، آپ "الھاکم التکاثر" پڑھ رہے تھے، آپ نے فرمایا آدمی کہتا ہے میرا مال میرا مال اور اے آدمی تیرا مال کیا ہے تیرا مال وہی ہے جو تو نے کھایا اور فنا کیا یا پہنا اور پرانا کیا یا صدقہ دیا اور رخصت کر دیا۔)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وَقَالَا جَمِيعًا حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ سَعِيدٍ ح و حَدَّثَنَا ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ حَدَّثَنَا أَبِي كُلُّهُمْ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ انْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ بِمِثْلِ حَدِيثِ هَمَّامٍ.

حَدَّثَنِي سُوَيْدُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنِي حَفْصُ بْنُ مَيْسَرَةَ عَنْ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُولُ الْعَبْدُ مَالِي مَالِي إِنَّمَا لَهُ مِنْ مَالِهِ ثَلَاثٌ مَا أَكَلَ فَأَفْنَى أَوْ لَبِسَ فَأَبْلَى أَوْ أَعْطَى فَاقْتَنَى وَمَا سِوَى ذَلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَتَارِكُهُ لِلنَّاسِ.

و حَدَّثَنِيهِ أَبُو بَكْرِ بْنُ إِسْحَقَ أَخْبَرَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي الْعَلَاءُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ.

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بندہ کہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ اس کا مال تین چیزیں ہیں جو کھایا اور فنا کیا اور جو پہنا اور پرانا کیا اور جو خدا کی راہ میں دیا اور جمع کیا اس کے سوا تو وہ جانے والا اور لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔)

مطرف کی حدیث میں قرآن حکیم کی ایک سورت (تکاثر) کے مفہوم کی وضاحت کی گئی ہے کہ جب کسی معاشرے میں مرض تکاثر پیدا ہو جائے تو وہ غفلت کا شکار ہو جاتا ہے، اس میں عاقبت اندیشی اور انجام بینی کی صفت معدوم ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ فساد و انتشار کی صورت میں برآمد ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے معاشرہ بالآخر تباہی کے کنارے جا پہنچتا ہے۔

تکاثر کا مفہوم اس حدیث میں یوں متعین کیا گیا ہے کہ صاحب مال و زر اپنے مال کے بارے میں یہی یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ اس کے تصرف میں ہے وہ اسی کا ہے، خواہ وہ بینک بیلنس کی شکل میں ہو، خواہ زمینوں کی صورت میں اسے جاگیر دار بنائے ہوئے ہو یا صنعتوں کی ملکیت کے حوالے سے اسے صنعت کار اور سرمایہ دار بنائے ہوئے ہو تو گویا جس شخص یا گروہ کے پاس دولت اور سرمایہ ہوتا ہے وہ نہ صرف اسے اپنی ملکیت گردانتا ہے بلکہ اس میں اضافہ کے لیے ہمہ قسم کے حربے بھی بروئے کار لاتا ہے اور پھر حد سے زیادہ ہوس اسے جامۂ انسانیت سے باہر لے آتی ہے حتیٰ کہ اس کا ہدف یہ قرار پاتا ہے کہ نہ صرف اس کا کوئی ہم سر باقی نہ رہے بلکہ دوسروں کے پاس موجود وسائل بھی اس کے تصرف میں آجائیں اور یوں مرض تکاثر اپنے ہم جنسوں کے استحصال کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ گزشتہ اور اپنے دَور کے حکمرانوں اور بالادست طبقات کا ذکر کرتے ہوئے مرض تکاثر کی علامات کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں کہ جب دنیوی تعیش کو ایسے افراد نے اپنی زندگی بنالیا اور آخرت تک کو بھلا بیٹھے اور ان پر شیطنت

غالب آگئی تو اب ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ وہ عیش پسندی میں منہمک ہو جائیں چنانچہ ان میں سے ہر شخص داد عیش دینے لگ گیا اور اس پر اترانے لگا، حتیٰ کہ ان امراء اور سرمایہ داروں کا یہ حال ہو گیا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ درہم سے کم مالیت کا کمربند یا ٹوپی ہوتی تھی اسے بخیلی کا عار دلایا جاتا تھا، ایسے ہی انہوں نے عالی شان سربفلک محل، فوارے، حمام، بے نظیر پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور، خوبصورت غلام اور حسین باندیاں اپنی زندگی کے لیے لازم قرار دے لیں اور زندگی کی ضرورتِ اصلی اسے سمجھ لیا کہ صبح و شام عیش و نشاط کی محفلیں ہوں جن میں طرح طرح کے کھانے وسیع دستر خوانوں پر چنے ہوں اور خود لباس فاخرہ پہنے ہوں، پھر یہ مصیبت صرف بادشاہوں اور امیر طبقات ہی میں منحصر نہیں رہ جاتی بلکہ رفتہ رفتہ عوام جن کا واسطہ ان لوگوں سے پڑتا ہے اپنے امیر آقاؤں کی ریس میں لگ جاتے ہیں ورنہ انہیں ان آقاؤں کی نگاہوں میں عزت و احترام نصیب نہیں ہوتا اور نہ ان کے درباروں میں قدر ہوتی ہے۔(۳۰)

ایک جانب مال و زر جمع کرنے کی ہوس تکاثر کی منزل تک پہنچا دیتی ہے جب کہ دوسری طرف مطرف اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کی روشنی میں حقیقت یہ ہے کہ انسان واقعتاً جس چیز کو اپنا مال قرار دے سکتا ہے وہ صرف تین نوعیت کی ہیں ایک وہ جو خوراک کی صورت میں انسان نے اپنے جسم کا حصہ بنا لیا، اس ضمن میں وہ اخراجات بھی داخل ہیں جو مرض سے بچاؤ اور صحت کی حفاظت کے لیے کیے جاتے ہیں، دوسری نوعیت یہ ہے کہ وہ مال جو انسان اپنے لباس کی صورت میں استعمال کر کے اسے بوسیدہ کر دے، اسی ذیل میں وہ اخراجات بھی شامل ہیں جو انسان اپنے آپ کو لباس تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے کرتا ہے، اور تیسرا مال وہ ہے کہ انسان راہِ خدا میں خرچ کر کے اگلے جہان یعنی آخرت کے سنوارنے کے لیے بھیج دے، اس سلسلے میں وہ اخراجات بھی آجاتے ہیں جو انسان اپنے اہلِ خانہ کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے کرتا ہے نہ صرف یہ بلکہ انسانی فلاح و بہبود کا ہر وہ

کام جس میں پیش نظر رضائے خداوندی اور خدمت انسانیت ہو، اسی ذیل میں آجاتا ہے۔ گویا انسان کے پاس موجود مال میں سے درحقیقت اس کا مال وہی کہلائے گا جو اس کی ذاتی و خانگی ضروریات میں صرف ہو جائے یا انسانی فلاح و بہبود میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی خاطر خرچ ہو جائے اور یوں انسان کی آخرت کے لیے ذخیرہ ہو کر اس کے کام آئے کہ وہاں ماسوائے ان نیک اعمال کے کوئی چیز فائدہ نہیں پہنچا سکے گی جو اس نے اس دنیا میں انجام دیئے ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مندرجہ بالا مضمون کے علاوہ اس کا بھی اضافہ ہے کہ مندرجہ بالا تین صورتوں کے علاوہ انسان کے پاس موجود مال و دولت درحقیقت اس کا نہیں بلکہ وہ انجام کار دوسرے افراد کا ہے کہ انسان ہر طرف سے اور ہر حربہ سے مال سمیٹتے سمیٹتے حسرت و یاس کے ساتھ اس دنیا سے رختِ سفر باندھ لیتا ہے اور اس کا جمع کردہ مال و زر ترکہ قرار پاتا ہے اور یوں اس کے ورثا میں تقسیم ہو کر ان کے کام آتا ہے اور بسااوقات اہل سرمایہ کی بے اعتدالیاں ان کی زندگی میں ہی رنگ لاتی ہیں کہ وسائل سے محروم طبقات منظم ہو کر بغاوت پر اتر آتے ہیں اور ان کے ہاتھوں سے دولت لے لیتے ہیں اور یوں وہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی دولت دوسروں کے ہاتھوں میں جاتا دیکھتے ہیں حتیٰ کہ مزاحمت کی صورت میں جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

الغرض یہ احادیث انسان کے زیر تصرف مال کی حقیقی نوعیت کو واضح کر رہی ہیں تاکہ وہ حرص و ہوس کی عینک سے دنیا کو دیکھنے کی بجائے حقیقت شناس بنے اور اس صورت میں جو معاشرہ وجود میں آئے گا اس میں طبقاتی کشمکش کی بجائے انسانی ہمدردی اور اخوت فروغ پائے گی، گویا احادیثِ زہد کا ایک مقصد انسان کو حقیقت شناسی کی جانب متوجہ کرنا بھی ہے۔

فائدہ: مطرف کی روایت کے دو طریق ہیں ہمام کے طریق میں لفظ "اتیت" ہے کہ "میں آیا" جب کہ شعبہ، سعید اور ہشام کے طریق میں لفظ "انتھیت" ہے کہ "میں پہنچا" یہ امام مسلم کی غایت احتیاط ہے کہ مفہوم یکساں ہونے کے باوجود راویوں کے الفاظ کو علیحدہ علیحدہ محفوظ کر لیتے ہیں۔

کردار کی اہمیت

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ كِلَاهُمَا عَنْ ابْنِ عُيَيْنَةَ قَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلَاثَةٌ فَيَرْجِعُ اثْنَانِ وَيَبْقَى وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ أَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقَى عَمَلُهُ۔

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مرنے والے کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں پھر دو لوٹ آتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ رہ جاتی ہے، اس کے گھر والے اور مال اور عمل جاتے ہیں تو گھر والے اور مال تو لوٹ آتے ہیں اور عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ عموماً انسان اپنی عزت و وقار کا باعث اپنے خاندان کو سمجھتا ہے اور یہی سبب ہے کہ انسان کو اپنی اولاد اور خاندان پر فخر ہوتا ہے اور بسا اوقات انسان اپنے خاندانی اور نسلی گروہ کے بل بوتے پر اپنے آپ کو قانونِ فطرت سے بالاتر بھی سمجھنے لگتا ہے اور یوں اس کا رویہ اور عمل دیگر نسلی گروہوں کے ساتھ سر پھٹول کا پیش خیمہ بن جاتا ہے، ماضی قریب میں ہٹلر کا کردار اس کی ایک واضح مثال ہے، علاوہ ازیں انسان اپنے آپ کو مال اور سرمایہ کی بدولت بھی طاقتور سمجھنے لگتا ہے اور فاسد معاشروں میں ایسے افراد کو اہمیت بھی حاصل ہوتی

ہے جو وسائل پر قابض ہوتے ہیں جب کہ وسائل سے محروم افراد کو چنداں اہمیت حاصل نہیں ہوتی گویا دنیا کے اندر جب خالص مادی حوالوں سے انسان کو جانچا جاتا ہے تو انہی دو اسباب کی وجہ سے اسے معزز تصور کیا جاتا ہے، اور کوتاہ بین شخص بھی خاندانی و نسلی یا مالی برتری کے سبب اپنے آپ کو معاشرے کا ناخدا سمجھتا ہے۔

لیکن جب انسان موت کے سفر سے گزر کر اس دنیا سے آخرت کی طرف جاتا ہے تو اس کے ہمراہ تین چیزیں ہوتی ہیں، ایک وہ خاندان جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو دنیا میں بالاتر تصور کرتا تھا، دوسرا وہ مال و دولت جس کی وجہ سے وہ معزز خیال کیا جاتا تھا، اور تیسرا وہ عمل جو اس نے اس دنیا میں انجام دیا اور وہ کردار جو اس نے ادا کیا لیکن خاندان کے افراد اسے حوالۂ قبر کر کے واپس آجاتے ہیں اور اسی طرح مال و دولت ورثاء میں تقسیم ہو کر اس سے منہ موڑ لیتا ہے اور یوں ضرورت کے وقت یہ دو چیزیں دغا دے جاتی ہیں حالانکہ عاقبت نااندیش انسان کی زندگی اپنے خاندان کا حلقہ اثر بڑھانے اور دولت و ثروت اکٹھی کرتے گزرتی ہے جب کہ اس کے ساتھ رہنے والا اس کا اپنا عمل اور کردار ہوتا ہے، اگر اس نے اس دنیا میں ایسے اعمال انجام دیئے جن سے مقصود رضائے الٰہی کا حصول اور انسانیت کی خدمت ہو تو یہ عمل اس کو اگلے جہاں میں سہارا دے گا اور اس کو وہاں کی مشکلات میں سرخرو کرے گا اور اگر اس کا کردار اس نوعیت کا ہو کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور عوام الناس کے انفرادی و اجتماعی حقوق پامال ہوئے ہوں تو یہ عمل اس کو اس کے منطقی انجام تک لے جائے گا۔

غرض یہ کہ اس حدیث سے عمل کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ کہ یہی کامیابی اور ناکامی کی کسوٹی ہے جو انسان کے ہمراہ موت کے بعد بھی رہتی ہے جب کہ خاندان اور مال و دولت ناقابل اعتبار ہمراہی ہیں کہ انسان کا مشکل وقت میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں نہ صرف یہ بلکہ اس کی ہلاکت کا بھی ذریعہ بنتے ہیں یہی سبب ہے کہ

قرآن حکیم میں بنی اسرائیل کے زوال میں نسلی غرور و تفاخر اور سرمایہ اندوزی اہم اسباب شمار کیے گئے ہیں۔(۳۱)

غیر صحت مند مسابقت

حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبْدِ اللَّهِ يَعْنِي ابْنَ حَرْمَلَةَ بْنِ عِمْرَانَ التُّجِيبِيَّ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ وَهُوَ حَلِيفُ بَنِي عَامِرِ بْنِ لُؤَيٍّ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ إِلَى الْبَحْرَيْنِ يَأْتِي بِجِزْيَتِهَا وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ صَالَحَ أَهْلَ الْبَحْرَيْنِ وَأَمَّرَ عَلَيْهِمْ الْعَلَاءَ بْنَ الْحَضْرَمِيِّ فَقَدِمَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَسَمِعَتْ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ فَوَافَوْا صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ فَتَعَرَّضُوا لَهُ فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ رَآهُمْ ثُمَّ قَالَ أَظُنُّكُمْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدِمَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ فَقَالُوا أَجَلْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَأَبْشِرُوا وَأَمِّلُوا مَا يَسُرُّكُمْ فَوَاللَّهِ مَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلَكِنِّي أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ۔

(حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بحرین کی طرف وہاں کا جزیہ لانے کے لیے بھیجا دراں حالیکہ آپ نے بحرین والوں سے صلح کر لی تھی اور

ان پر علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو حاکم مقرر کیا تھا چنانچہ ابو عبیدہ بحرین سے مال لے کر آئے یہ خبر انصار کو پہنچی انہوں نے فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو انصار آپ کے سامنے آئے آپ نے ان کو دیکھ کر تبسم فرمایا پھر فرمایا میں سمجھتا ہوں تم سن چکے ہو کہ ابو عبیدہ بحرین سے کچھ مال لے کر آئے ہیں (اور تم اسی خیال سے آج جمع ہوئے ہو کہ مال تقسیم ہوگا) انہوں نے کہا بے شک یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا خوش خبری ہو اور اس بات کی امید رکھو جس سے تم خوشی محسوس کرو گے تو قسم خدا کی فقر کا مجھے تم پر ڈر نہیں لیکن مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں دنیا تم پر اس طرح کشادہ ہو جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر کشادہ ہوئی تھی پھر ایک دوسرے سے (منفی) مسابقت کرنے لگو جیسے اگلے لوگوں نے مسابقت کی تھی اور (دنیا) تم کو اس طرح ہلاک کر دے جیسے ان کو ہلاک کیا تھا۔)

حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ الْحُلْوَانِيُّ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ جَمِيعًا عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ حَدَّثَنَا أَبِي عَنْ صَالِحٍ ح و حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الدَّارِمِيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ كِلَاهُمَا عَنْ الزُّهْرِيِّ بِإِسْنَادِ يُونُسَ وَمِثْلِ حَدِيثِهِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِ صَالِحٍ وَتُلْهِيَكُمْ كَمَا أَلْهَتْهُمْ

(دوسری روایت میں یہ جملہ ہے کہ (دنیا) تم کو اس طرح غافل کر دے جیسے اگلے لوگوں کو غافل کر دیا تھا۔)

دورِ رسالت میں اہلِ بحرین کے ساتھ مسلمانوں کی جو صلح ہوئی تھی، اس میں طے پایا تھا کہ وہ ایک مقررہ رقم اسلامی حکومت کو بطور ٹیکس ادا کیا کریں گے، چنانچہ اسی صلح کے تحت آپ نے حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کا امیر مقرر کیا، اس ٹیکس کو حدیث عمرو بن عوف میں ”جزیہ“ کا نام دیا گیا ہے، اور یہ ٹیکس اس لیے وصول کیا جاتا ہے کہ اس کے بدلے میں اسلامی حکومت اپنے غیر مسلم

شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرتی ہے، اور ان کو لازمی فوجی خدمت سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے تو اس طرح اسلامی مملکت کا ہر شہری اپنی مملکت کے دفاع کا ذمہ دار قرار پاتا ہے، مسلم شہری جسمانی طور پر اور غیر مسلم شہری مالی طور پر اس خدمت کو انجام دیتے ہیں، تاہم اگر بغیر جبر واکراہ کے کوئی غیر مسلم شہری بھی اسلامی لشکر میں شامل ہو کر برضا ورغبت جنگ میں حصہ لے تو اس پر سے جزیہ معاف ہو جائے گا اور مالِ غنیمت میں سے بھی اس کو معقول عطیہ دیا جائے گا اور اگر حکومت مناسب سمجھے تو اپنی صواب دید پر اس کا بھی فوجی وظیفہ مقرر کر سکتی ہے چنانچہ ایسی صورت میں جزیہ اُٹھا لینے کی تصریح ان معاہدوں میں موجود ہے جو خلفاء راشدین کے زمانہ میں غیر مسلم شہریوں کے ساتھ کیے گئے ہیں۔ (۳۲)

حدیث بالا میں اس واقعہ کا ذکر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ اہل بحرین سے جزیہ وصول کرنے کے لیے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو بھیجا تو جب وہ مال لے کر حاضر خدمت ہوئے تو انصاری صحابہ کو بھی ان کی آمد کا علم ہو گیا چنانچہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہونے والی نماز فجر میں کثیر تعداد میں شریک ہوئے۔ یہ اس امر کا قرینہ ہے کہ اس سے قبل یہ حضرات اپنے محلوں کی مساجد میں نماز ادا کرتے تھے، جب آپ نماز سے فارغ ہو کر نمازیوں کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ صحابہ آپ کے سامنے آئے، آپ انہیں دیکھ کر مسکرائے اور اپنا خیال ظاہر کیا کہ تم لوگ غالباً یہ جان گئے ہو کہ ابو عبیدہ بحرین سے کچھ لے کر آئے ہیں تو صحابہ نے اثبات میں جواب دیا، آپ نے انہیں خوش خبری دی اور نیک توقعات رکھنے کی تلقین کی۔

اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ معاشی ضروریات کی تکمیل کے لیے دولت کے حصول کی کوشش کوئی ناپسندیدہ امر نہیں ہے کہ صحابہ کرام جیسے امت مسلمہ کے بہترین افراد بھی بحرین سے آنے والے مال کی خبر سن کر نماز فجر میں

پہنچ گئے اور ان کے اس عمل کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف پسندیدہ نظروں سے دیکھا بلکہ ان کی آمد کے سبب ان سے تصدیق بھی کرائی اور اس پر بجائے دنیا طلبی کی مذمت کرنے یا آپ کے ساتھ بظاہر دنیوی مقصد کے لیے نماز فجر ادا کرنے پر تنبیہ کرنے کے خوش خبری دی اور ان کی توقعات بر آنے کا ذکر کیا، اس سے اسلام کی نظر میں حصول معاش کی کوششوں کی اہمیت نیز رہبانیت یعنی دنیوی امور سے مکمل لا تعلّقی کے رویہ کی نفی کا اظہار ہوتا ہے۔ (۳۳)

تاہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاشی تگ و دَو کو ایک مناسب دائرہ میں رکھنے اور اکتناز واحتکار کی حد تک پہنچنے سے روکنے کے لیے واضح کیا کہ مجھے تمہارے بارے میں فقر و فاقہ کا اندیشہ نہیں کہ دین کے اجتماعی نظام کے بروئے کار لانے کی صورت میں اس کی گنجائش نہیں بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ گزشتہ امتوں کی طرح تم بھی دنیا کی نعمتوں کی فراوانی کی صورت میں باہمی حرص و ہوس کے مقابلے میں گرفتار ہو کر تباہ و برباد نہ ہو جاؤ (۳۴) یعنی حصول معاش کی جدوجہد سے مقصود زراندوزی اور ارتکاز دولت نہیں ہونا چاہیے ورنہ اس کا نتیجہ اس دنیا میں بھی ہلاکت و بربادی ہے گزشتہ امتوں کے واقعات اور آئے روز کے انقلابات اس کے مظہر ہیں۔

غرض یہ کہ حدیث عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ معاشی جدوجہد کی تحسین اور سرمایہ پرستی سے ممانعت کا حسین امتزاج اور اسلام کے نظام عدل اور مزاج اعتدال کا نمونہ ہے۔

فائدہ: اس حدیث کے دو طریق ہیں، یونس اور شعیب کے طریق میں ذکر ہے کہ "گزشتہ لوگوں کی طرح ہوس زر کا مقابلہ تمہیں ہلاکت کی راہ پر ڈال دیگا" جب کہ صالح کے طریق کے الفاظ کا مفہوم ہے کہ "پچھلوں کی مانند مال کی حرص

تمہیں غفلت اور عاقبت نااندیشی میں مبتلا کر دے گی" دونوں جملوں کا انجام کار گو ایک ہے لیکن امام مسلمؒ نے احتیاط ملحوظ رکھتے ہوئے الفاظ کے اختلاف کو ذکر کیا ہے۔

معاشرتی زوال کے مدارج

حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ سَوَّادٍ الْعَامِرِيُّ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ أَنَّ بَكْرَ بْنَ سَوَادَةَ حَدَّثَهُ أَنَّ يَزِيدَ بْنَ رَبَاحٍ هُوَ أَبُو فِرَاسٍ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ حَدَّثَهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِذَا فُتِحَتْ عَلَيْكُمْ فَارِسُ وَالرُّومُ أَيُّ قَوْمٍ أَنْتُمْ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ نَقُولُ كَمَا أَمَرَنَا اللَّهُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ تَتَنَافَسُونَ ثُمَّ تَتَحَاسَدُونَ ثُمَّ تَتَدَابَرُونَ ثُمَّ تَتَبَاغَضُونَ أَوْ نَحْوَ ذَلِكَ ثُمَّ تَنْطَلِقُونَ فِي مَسَاكِينِ الْمُهَاجِرِينَ فَتَجْعَلُونَ بَعْضَهُمْ عَلَى رِقَابِ بَعْضٍ۔

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب فارس اور روم فتح ہو جائیں گے تو تم کیا ہو گے، (یعنی تمہاری حالت کیا ہو گی) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا ہم وہی کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم کیا (یعنی اس کا شکر کریں گے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا اس کے علاوہ تو کچھ نہیں ہو گا کہ تم باہمی مقابلہ کرو گے پھر (دوستوں سے) حسد کرو گے پھر روگردانی کرو گے پھر دشمنی کرو گے یا ایسا ہی کچھ فرمایا پھر مسکین مہاجرین کے پاس جاؤ گے اور ایک کو دوسروں کا حاکم بناؤ گے (زبردستی مسلط کرو گے)۔

اس حدیث میں مال کی فراوانی اور قانون واخلاق کی گرفت کمزور ہونے کی صورت میں آپ کی تشخیص اور پیش گوئی کا ذکر ہے کہ سب سے پہلے معاشرہ میں

ایسے جذبات پیدا ہونا شروع ہوتے ہیں کہ ہر شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مال و زر کی جانب اس کا ہی ہاتھ بڑھے اور دوسرے کی دخل اندازی اسے ناگوار گزرتی ہے پھر اگر ان جذبات کو لگام نہ دی جائے اور انسان کے جذبۂ مسابقت کا رخ درست نہ کیا جائے تو پھر معاشرے میں حسد کا رویہ پرورش پانے لگتا ہے کہ جس شخص کے پاس نعمت موجود ہے اس سے اس کی محرومی کی منفی تمنا اور آرزو شدت پکڑنے لگتی ہے تاکہ وہ چیز دوسرے کے دائرہ تصرف سے نکل کر اُس کی آغوش میں آجائے (۳۵) اور جب حسد کا رویہ برگ و بار لانے لگتا ہے تو اس جذبہ کے حامل افراد ایک دوسرے سے لاتعلق اور کنی کترانے والے ہو جاتے ہیں یعنی باہمی محبت و مودّت کی بجائے خود غرضی کے اثرات نمایاں ہونے لگتے ہیں اور پھر یہ سفر یہیں نہیں رکتا بلکہ بعد ازیں معاشرہ باہمی بغض و عناد کی آگ میں جلنے لگتا ہے اور بالآخر حاکم و محکوم طبقات میں تقسیم ہو جاتا ہے (۳۶)۔ اور یوں پھر وہ اپنے منطقی انجام تک جا پہنچتا ہے، گویا کسی معاشرہ کا تباہی کی جانب تدریجی سفر ان مراحل سے ہوتا ہوا مکمل ہوتا ہے اور مسلم معاشروں میں زوال کا سفر بھی انہی راہوں سے ہوتا ہوا غلامی تک پہنچا ہے۔

احساسِ کمتری کا علاج

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ قَالَ قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا وَقَالَ يَحْيَى أَخْبَرَنَا الْمُغِيرَةُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحِزَامِيُّ عَنْ أَبِي الزِّنَادِ عَنِ الْأَعْرَجِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلَى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی ایسے شخص کو دیکھے جو اس سے مال

اور شکل میں بہتر ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے سے مال و شکل میں ان کم تر افراد پر غور کرے جن پر اسے فوقیت حاصل ہے)

وحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ هَمَّامِ بْنِ مُنَبِّهٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ أَبِي الزِّنَادِ سَوَاءً.

و حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ح و حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ح و حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ وَوَكِيعٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْظُرُوا إِلَى مَنْ أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا إِلَى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ قَالَ أَبُو مُعَاوِيَةَ عَلَيْكُمْ.

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو دیکھو جو تم سے کم ہے (مال اور دولت میں اور حسن و جمال میں) اور اس پر (حریصانہ) نظر مت رکھو جو تم سے زیادہ ہے۔ اگر ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی (حاصل شدہ) نعمت کو اپنے اوپر حقیر نہ سمجھو گے)۔

ان احادیث میں منفی مسابقت اور غیر صحت مندانہ مقابلے سے معاشرے کو محفوظ رکھنے کا ایک کارگر علاج بتایا گیا ہے کہ جب انسان شکل و صورت یا مال و دولت کے حوالے سے اپنے آپ سے بہتر دیکھے تو اس پر اپنے دل میں احساسِ محرومی کو جگہ دینے یا حسد کے جذبات کو راہ دینے کی بجائے ان افراد کی جانب نظر ڈال لے جو نسبتاً اس سے مال و دولت اور شکل و صورت میں کم تر ہوں لیکن احساسِ برتری کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ احساسِ کمتری کے مضر اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے، اس سے اس کے جذبات میں اعتدال اور رویوں میں توازن پیدا ہو گا اور یوں وہ احساسِ کمتری یا احساسِ برتری کی بجائے اپنے احساسات کو اعتدال پر رکھ سکے گا اور اس طرح

اس پر جو انعامات خداوندی ہوں گے انہیں حقیر جاننے کی بجائے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے گا (۳۷) تاہم کسی کو نیکی میں بڑھا ہوا دیکھ کر اس کی ریس کرنا ایک صحت مند رجحان ہے جس کی موجودگی میں معاشرہ زیادہ بہتر انداز میں ترقی کرتا ہے (۳۸)۔

مال و دولت میں بہتر و کمتر سے یہ اخذ کرنا قطعاً درست نہیں کہ اسلامی معاشرہ میں ایسا طبقاتی تفاوت ممکن ہے کہ ایک طرف وسائل کی ازحد فراوانی ہو اور دوسری جانب ان سے تہی دستی اور محرومی۔ کیونکہ اسلام میں اس قسم کے غیر فطری تفاوت کی سرے سے گنجائش نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ایک صحیح اسلامی معاشرے کے قیام اور ارتکاز دولت کے خاتمے کے بعد جو صحت مند فضا پیدا ہوتی ہے اس میں موجود فطری تفاوت کو کوئی شخص اپنا ذہنی روگ بنا کر احساسات کی دنیا میں ہلچل اور بے چینی پیدا کرنے کی بجائے افراد و حالات کا صحیح رُخ سے مشاہدہ اور مثبت انداز سے تجزیہ کرے۔

گویا رزق میں تفاوتِ درجات کی مصلحت ایک خاص قسم کی آزمائش پر مبنی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک جانب غنی کو صاحب ثروت بنا کر اس سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنی ثروت کو تنہا اپنی ملکیت نہ سمجھے بلکہ انفرادی ملکیت کے باوجود یہ یقین رکھے کہ وہ جس قدر زیادہ کمائے گا اسی قدر اس کی دولت پر اجتماعی حقوق زیادہ عائد ہوں گے پس وہ صرف اپنے لیے نہیں کماتا بلکہ جماعت (سوسائٹی) کے دوسرے افراد کے لیے بھی کماتا ہے۔ (۳۹)

نیز یہ ذہن نشین رہے کہ درجات کا یہ تفاوت جماعت کے دوسرے افراد کو محروم المعیشت بنانے اور ذاتی اغراض کی خاطر معاشی دستبرد کرنے کے لیے نہیں ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ خدا کی نعمت (عطاء ثروت) کا جاحد (منکر) ہے۔

کیونکہ یہاں دولت و سرمایہ کا مقصد زیادہ سے زیادہ نفع جوئی نہیں ہے بلکہ انفرادی حاجات و ضروریات کے ساتھ ساتھ اجتماعی حاجات و ضروریات کی تکمیل ہے، دوسری جانب اسلام غیر مالدار سے یہ توقع کرتا ہے کہ وہ متمول افرادِ ملت کی دولت مندی کو دیکھ کر خدا کے ساتھ کفران اور ناشکر گزاری نہ اختیار کرے اور نہ حسد و بغض کو دل میں جگہ دے بلکہ طمانیت قلب کے ساتھ اپنی مختصر فارغ البالی اور خوشحالی پر شاکر رہے اور یا پھر عملی جدوجہد میں آگے بڑھ کر اپنی استعداد و صلاحیت کے مطابق ان تمام حقوق معیشت سے متمتع ہو اور غناء و دولت حاصل کرے جس کو تمام مخلوق خدا کے لیے عام اور مساوی کر دیا گیا ہے اور دوسرے افراد ملت کے حقوق اور ان کی ذمہ داریوں کو اپنے حاصل کردہ مال پر اسی طرح عائد کرے جس طرح حکومت الٰہیہ نے دوسرے ارباب دولت پر عائد کیے ہیں (۴۰)

فائدہ: چونکہ ابو معاویہ کے طریق میں "علیکم" کے لفظ کا اضافہ تھا، اس لیے امام مسلمؒ نے اس کی وضاحت کر دی جب کہ جریر اور وکیع سے یہ لفظ منقول نہیں ہے۔ نیز اس امر کی بھی نشان وہی کی ہے، روایت تو تین اساتذہ (زہیر، ابو کریب اور ابو بکر) سے مروی ہے لیکن الفاظ ابو بکر کے ہیں۔

نودولتیوں کا طرزِ عمل

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي عَمْرَةَ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ ثَلَاثَةً فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ أَبْرَصَ وَأَقْرَعَ وَأَعْمَى فَأَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا فَأَتَى الْأَبْرَصَ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ وَأُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا

حَسَنًا قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْإِبِلُ أَوْ قَالَ الْبَقَرُ شَكَّ إِسْحٰقُ إِلَّا أَنَّ الْأَبْرَصَ أَوِ الْأَقْرَعَ قَالَ أَحَدُهُمَا الْإِبِلُ وَقَالَ الْآخَرُ الْبَقَرُ قَالَ فَأُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا قَالَ فَأَتَى الْأَقْرَعَ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ شَعَرٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي هَذَا الَّذِي قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ وَأُعْطِيَ شَعَرًا حَسَنًا قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْبَقَرُ فَأُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلًا فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا قَالَ فَأَتَى الْأَعْمَى فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ أَنْ يَرُدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَأُبْصِرَ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْغَنَمُ فَأُعْطِيَ شَاةً وَالِدًا فَأُنْتِجَ هَذَانِ وَوَلَّدَ هَذَا قَالَ فَكَانَ لِهَذَا وَادٍ مِنَ الْإِبِلِ وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ وَلِهَذَا وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الْأَبْرَصَ فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِينٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِي الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِيرًا أَتَبَلَّغُ عَلَيْهِ فِي سَفَرِي فَقَالَ الْحُقُوقُ كَثِيرَةٌ فَقَالَ لَهُ كَأَنِّي أَعْرِفُكَ أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِيرًا فَأَعْطَاكَ اللّٰهُ فَقَالَ إِنَّمَا وَرِثْتُ هَذَا الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ إِلَى مَا كُنْتَ قَالَ وَأَتَى الْأَقْرَعَ فِي صُورَتِهِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهَذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلَى هَذَا فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ إِلَى مَا كُنْتَ قَالَ وَأَتَى الْأَعْمَى فِي صُورَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِينٌ وَابْنُ سَبِيلٍ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِي الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي فَقَالَ قَدْ كُنْتُ أَعْمَى فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللّٰهِ لَا أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ شَيْئًا أَخَذْتَهُ

لِلّٰہِ فَقَالَ أَمْسِكْ مَالَكَ فَإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ فَقَدْ رُضِيَ عَنْكَ وَسُخِطَ عَلَى صَاحِبَيْكَ۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کے لوگوں میں تین آدمی تھے ایک کوڑھی سفید داغ والا، دوسرا گنجا، تیسرا اندھا، خدا نے چاہا کہ ان کو آزمائے تو ان کے پاس فرشتہ بھیجا سو وہ سفید داغ والے کے پاس آیا پھر اس نے کہا کہ تجھ کو کون سی چیز بہت پیاری ہے اس نے کہا اچھا رنگ اور اچھی جلد اور مجھ سے یہ بیماری دُور ہو جائے جس کے سبب لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ فرشتہ نے اس کو ہاتھ سے چھوا سو اس کی گھن دور ہو گئی اور اس کو اچھا رنگ اور اچھی جلد دی گئی۔ فرشتہ نے کہا کہ کون سا مال تجھ کو بہت پسند ہے اس نے کہا اونٹ یا گائے، اسحاق بن عبداللہ (اس حدیث کے ایک راوی) کو شک پڑ گیا کہ اس نے اونٹ مانگا یا گائے تاہم سفید داغ والے یا گنجے میں سے ایک نے اونٹ کہا دوسرے نے گائے۔ سو اس کو دس مہینے کی گابھن اونٹنی دی پھر کہا خدائے تعالیٰ تیرے واسطے اس میں برکت دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا سو کہا کون سی چیز تجھ کو بہت پسند آتی ہے اس نے کہا اچھے بال اور یہ بیماری جاتی رہی جس کے سبب سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں پھر اس نے اس پر ہاتھ پھیرا سو اس کی بیماری دُور ہو گئی اور اس کو اچھے بال ملے۔ فرشتہ نے کہا کہ کون سا مال تجھ کو بھاتا ہے۔ اس نے کہا کہ گائے سو اس کو گابھن گائے ملی، فرشتہ نے کہا کہ خدا تیرے مال میں برکت دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا سو کہا کہ تجھ کو کون سی چیز بہت پسند ہے اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ میری آنکھ میں روشنی دے تاکہ میں اس کے سبب لوگوں کو دیکھوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا سو اس کو خدا نے روشنی دی فرشتہ نے کہا کون سا مال تجھ کو پسند ہے اس نے کہا بھیڑ بکری تو اس کو گابھن بکری ملی، پھر اونٹنی اور گائے بیائی

اور بکری نے بھی (بچے) جنے پھر ہوتے ہوتے سفید داغ والے کے جنگل بھر اونٹ ہوگئے اور گنجے کے جنگل بھر گائے نیل ہوگئے اور اندھے کے جنگل بھر بکریاں ہوگئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک مدت کے بعد وہی فرشتہ سفید داغ والے کے پاس اس کی پہلی صورت اور شکل میں آیا۔ سو اس نے کہا کہ میں محتاج آدمی ہوں سفر میں میرے تمام اسباب کٹ گئے۔ (یعنی تدبیریں جاتی رہیں اور مال اور اسباب نہ رہا) سو آج منزل پر پہنچنا مجھ کو ممکن نہیں بدوں خدا کی مدد کے پھر بدوں تیرے کرم کے میں تجھ سے اسی کے نام پر جس نے تجھ کو ستھرا رنگ اور ستھری جلد دی اور مال اونٹ (کی صورت میں) دیئے ایک اونٹ مانگتا ہوں جو میرے سفر میں کام آسکے، اس نے کہا لوگوں کے حق مجھ پر بہت ہیں (یعنی قرض دار ہوں یا گھر بار کے خرچ سے مال زیادہ نہیں جو تجھ کو دوں) پھر فرشتہ نے کہا یقیناً میں تجھ کو پہچانتا ہوں بھلا کیا تو محتاج کوڑھی نہ تھا کہ تجھ سے لوگ گھن کرتے تھے، پھر خدا نے اپنے فضل سے تجھ کو یہ مال دیا، اس نے جواب دیا کہ میں نے یہ تو مال اپنے باپ دادا سے پایا ہے جو کئی پشت سے بڑے آدمی تھے، فرشتہ نے کہا اگر تو جھوٹا ہو تو خدا تجھ کو ویسا ہی کر ڈالے جیسا تو تھا، حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اس کی پہلی صورت اور شکل میں پھر اس سے کہا جیسا سفید داغ والے سے کہا تھا اس نے بھی وہی جواب دیا جو سفید داغ والے نے دیا تھا۔ فرشتہ نے کہا اگر تو جھوٹا ہو تو خدا تجھ کو ویسا ہی کر ڈالے جیسا تو تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور فرشتہ اندھے کے پاس گیا اس کی پہلی صورت اور شکل میں پھر فرشتہ نے کہا کہ میں محتاج آدمی اور مسافر ہوں میرے سفر میں سب وسیلے اور تدبیریں کٹ گئیں سو مجھ کو آج منزل کو پہنچنا بغیر اللہ کی مدد اور تیرے کرم کے مشکل ہے سو میں تجھ سے اس خدا کے نام پر جس نے تجھ کو آنکھ دی ایک بکری مانگتا ہوں کہ میرے سفر میں وہ کام آسکے، اس نے کہا بے شک میں اندھا تھا خدا نے مجھ کو بصارت دی لہٰذا لے جاؤ ان بکریوں میں سے جتنا تمہارا جی چاہے اور چھوڑ جاؤ بکریوں میں سے جتنا تمہارا جی

چاہے۔ قسم خدا کی آج جو چیز تم خدا کی راہ میں لو گے میں تم کو مشکل میں نہیں ڈالوں گا (یعنی تیرا ہاتھ نہ پکڑوں گا) سو فرشتہ نے کہا اپنا مال رہنے دو تم تینوں آدمی صرف آزمائے گئے تھے سو تم سے تو البتہ خدا راضی ہوا اور تمہارے دونوں ساتھیوں سے ناخوش ہوا۔)

اس طویل حدیث میں ایسے تین افراد کا ذکر ہے جو سماجی اور معاشی لحاظ سے پس ماندہ اور بے وقعت تھے کہ وہ اپنے اپنے امراض و اعذار کے سبب معاشرتی معمولات میں عمل دخل کے لائق نہیں سمجھے جاتے تھے اور لوگ ان سے گھن کیا کرتے تھے گویا اچھوتوں جیسا سلوک ان سے برتا جاتا تھا اور ساتھ ہی معاشی طور پر قلاش اور تہی دست تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام کیا کہ ان کے ان اعذار کو دُور کیا اور معاشرے میں بیٹھنے کے لائق بنایا پھر ان کی معاشی حالت سدھاری اور بے شمار جانوروں کا مالک بنایا لیکن ان میں سے دو نے بجائے اپنی سابقہ حالت سے عبرت حاصل کرنے اور موجودہ حالت پر شکر ادا کرنے کے یہ ڈینگیں مارنا شروع کر دیں کہ یہ سب کچھ ان کی آبائی میراث ہے اور اس میں سے مستحق افراد کو کچھ فراہم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں کہ اپنے اور اپنے خاندان کے حقوق کی ادائیگی بمشکل ہوتی ہے اور یہ درحقیقت تنگ ظرف اور شیخی باز افراد کی نفسیات رہی ہے کہ ان کو ان کے ظرف سے بڑھ کر مل جائے تو وہ اسے ہضم نہیں کر پاتے اور ان کا کمینہ پن کسی طور پر ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ بالآخر دونوں اشخاص کا رویہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں آیا اور نہ ہی ایک مستحق صورت شخص کے بنیادی تقاضے کو بے جا انداز سے مسترد کرنا کوئی ایسا فعل تھا جس پر خاموش رہا جاتا، چنانچہ ان کے اس گھمنڈ اور فخر و غرور کا یہ انجام ہوا کہ وہ اسی پرانی حالت پر لوٹا دیئے گئے جس پر وہ پہلے تھے، جب کہ ان میں سے ایک شخص نے حقیقت شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی موجودہ حالت پر خدا کا شکریہ ادا کیا اور ایک مسافر کے سوال پر بجائے کسی لیت و لعل کے اسے یہ کھلی پیش کش کر دی کہ وہ جو چاہے اس کے مال سے لے سکتا ہے اور اس سلسلے میں وہ کسی مزاحمت کا ارادہ نہیں

رکھتا کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ باعتبار اصل ضرورت سے زائد مال سے اوروں کے حقوق متعلق ہو رہے ہیں اور اس کی اپنی کوئی بنیادی غرض اس سے متعلق نہیں (۴۱) اور یہ کہ جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور ہوگا (۴۲) چنانچہ اس کا یہی طرزِ عمل اس کی بہتر حالت کے بقاء کا سبب بنا۔

غرض یہ کہ اس حدیث میں ان لوگوں کے لیے عبرت ہے جو ماضی کی غربت سے نکل کر کشادہ دست ہو جاتے ہیں انہیں اپنے آپ سے باہر نہیں ہونا چاہیے جیسا کہ نودولتیوں کا طرزِ عمل ہوتا ہے بلکہ انہیں اپنے ماضی پر نظر رکھتے ہوئے تہی دست اور پریشان حال افراد کے ساتھ حقارت آمیز سلوک سے گریز کرنا چاہیے ورنہ مکافات عمل کے نتیجہ میں جب حالات تبدیل ہو جاتے ہیں تو پھر حسرت و پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

خاموش زندگی

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْعَظِيمِ وَاللَّفْظُ لِإِسْحٰقَ قَالَ عَبَّاسٌ حَدَّثَنَا وَقَالَ إِسْحٰقُ أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ حَدَّثَنَا بُكَيْرُ بْنُ مِسْمَارٍ حَدَّثَنِي عَامِرُ بْنُ سَعْدٍ قَالَ كَانَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فِي إِبِلِهِ فَجَاءَهُ ابْنُهُ عُمَرُ فَلَمَّا رَآهُ سَعْدٌ قَالَ أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا الرَّاكِبِ فَنَزَلَ فَقَالَ لَهُ أَنَزَلْتَ فِي إِبِلِكَ وَغَنَمِكَ وَتَرَكْتَ النَّاسَ يَتَنَازَعُونَ الْمُلْكَ بَيْنَهُمْ فَضَرَبَ سَعْدٌ فِي صَدْرِهِ فَقَالَ اسْكُتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ۔

(حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے سعد بن ابی وقاص اپنے اونٹوں میں (مصروف) تھے اتنے میں ان کا بیٹا عمر آیا جب سعد نے اس کو دیکھا تو کہا پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ کی اس سوار کے شر سے پھر وہ اترا اور بولا

آپ اپنے اونٹوں اور بکریوں میں اترے ہوئے ہیں (مقیم ہیں) اور لوگوں کو سلطنت کے لیے جھگڑتا چھوڑ دیا ہے سعد نے اس کے سینہ پر (ہاتھ) مارا اور کہا خاموش ہو جاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے اللہ دوست رکھتا ہے اس بندہ کو جو پرہیزگار مستغنی اور گوشہ نشین ہے۔)

جب ۲۶ھ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے امارت سے سبکدوش کیا تو انہوں نے ملکی سیاست سے یکسر قطع تعلق کر لیا اور مدینہ منورہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام عقیق میں گوشہ نشیں ہو گئے اور اپنی وفات تک تیس یا پینتیس سال نہایت خاموشی سے گزارے، اس دوران عالم اسلام میں بڑے بڑے اُتار چڑھاؤ اور فساد و فتن برپا ہوئے لیکن حضرت سعد ان سب سے کنارہ کش رہے، اگر کسی وقت گوشۂ عزلت سے باہر تشریف لائے بھی تو اس کا مقصد محض پند و نصیحت اور لوگوں کو فتنہ و فساد سے روکنا تھا (۴۳) عقیق میں انہوں نے معاشی خود کفالت کے لیے اونٹ اور بکریاں چرانے سے بھی گریز نہیں کیا، ایک دفعہ وہ جنگل میں اپنے جانوروں کے ساتھ تھے کہ ان کا بیٹا عمر بن سعد آیا تو وہ پہلے ہی بھانپ گئے کہ اس کے آنے کا مقصد میری موجودہ زندگی میں ہلچل پیدا کرنا ہے چنانچہ پہلے ہی پناہ کے کلمات کہے چنانچہ عمر بن سعد نے حسب توقع کہا "ابا جان آپ جنگل میں اونٹوں اور بکریوں میں زندگی گزار رہے ہیں اور لوگ حکومت و سلطنت کے معاملات میں باہمی نزاع میں مصروف ہیں" یعنی آپ کو بھی اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، حضرت سعد نے یہ سنتے ہی اس کی چھاتی پر ہاتھ مار کر کہا "خاموش" پھر کہا تم چاہتے ہو کہ میں فتنہ کا سر گروہ بنوں؟ خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا جب تک کہ مجھے ایسی تلوار نہ مل جائے جو مسلمان کو مارتے وقت ہٹ جائے اور کافر کو مارتے وقت لگ جائے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو پسند کرتا ہے جو پرہیزگار ہو اور جس کے مزاج میں استغنا ہو یعنی حرص اور لالچ سے دُور ہو اور

سوائے حبلے اور سمر کے پتوں کے (یہ دونوں کیکر نما جنگلی درخت ہیں) یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی ایسا پاخانہ پھیرتا جیسے بکری پھیرتی ہے پھر آج بنو اسد کے لوگ (یعنی زبیر کی اولاد) مجھ کو دین کی باتیں سکھلانا چاہتے ہیں (یا دین کے لیے تنبیہ کرتے ہیں یا سزا دینا چاہتے ہیں) ایسا ہو تو میں بالکل خسارے میں رہا اور محنت ضائع ہو گئی۔)

وحَدَّثَنَاه يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ حَتَّى إِنْ كَانَ أَحَدُنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الْعَنْزُ مَا يَخْلِطُهُ بِشَيْءٍ۔

(دوسری روایت میں یہ ہے کہ یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی پاخانہ پھیرتا جیسے بکری پھیرتی ہے اس میں کچھ نہ ملا ہوتا (یعنی خالص پتے ہوتے)۔

۲۱ھ میں جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے امیر کوفہ کی حیثیت سے فارس کو فوج روانہ کی تو کچھ لوگوں نے اہل فارس کے خلاف جہاد کا آغاز کرنے پر چہ مگوئیاں شروع کر دیں، حضرت سعد کو جب صورت حال کا علم ہوا تو ان لوگوں کے بارے میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی، اس پر یہ لوگ حضرت سعد کے سخت مخالف ہو گئے اور جراح بن سنان کی قیادت میں ایک وفد ترتیب دے کر مدینہ منورہ پہنچے اور بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر یہ شکایت پیش کی سعد صحیح طریقے سے نماز نہیں پڑھاتے۔ شکایت کنندگان میں بنو اسد قبیلہ کے لوگ پیش پیش تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حقائق جاننے کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ کو کوفہ بھیجا، انہوں نے وہاں کی ہر ایک مسجد میں جا کر اس بارے میں لوگوں سے تحقیقات کیں تو الزام لگانے والی جماعت کے سوا تمام افراد نے حضرت سعد پر عائد الزام کو بے بنیاد قرار دیا اور کہا کہ ہم نے سعد میں بھلائی کے سوا کچھ نہ دیکھا۔ ابن مسلمہ، حضرت سعد اور فریق مخالف کے کچھ افراد کو

سوائے حبلے اور سمر کے پتوں کے (یہ دونوں کیکر نما جنگلی درخت ہیں) یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی ایسا پاخانہ پھیرتا جیسے بکری پھیرتی ہے پھر آج بنواسد کے لوگ (یعنی زبیر کی اولاد) مجھ کو دین کی باتیں سکھلانا چاہتے ہیں (یا دین کے لیے تنبیہ کرتے ہیں یا سزا دینا چاہتے ہیں) ایسا ہو تو میں بالکل خسارے میں رہا اور محنت ضائع ہو گئی۔)

وحَدَّثَنَاه يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ حَتَّى إِنْ كَانَ أَحَدُنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الْعَنْزُ مَا يَخْلِطُهُ بِشَيْءٍ۔

(دوسری روایت میں یہ ہے کہ یہاں تک کہ ہم میں سے کوئی پاخانہ پھیرتا جیسے بکری پھیرتی ہے اس میں کچھ نہ ملا ہوتا (یعنی خالص پتے ہوتے)۔

۲۱ھ میں جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے امیر کوفہ کی حیثیت سے فارس کو فوج روانہ کی تو کچھ لوگوں نے اہل فارس کے خلاف جہاد کا آغاز کرنے پر چہ مگوئیاں شروع کر دیں، حضرت سعد کو جب صورت حال کا علم ہوا تو ان لوگوں کے بارے میں امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شکایت کی، اس پر یہ لوگ حضرت سعد کے سخت مخالف ہو گئے اور جراح بن سنان کی قیادت میں ایک وفد ترتیب دے کر مدینہ منورہ پہنچے اور بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر یہ شکایت پیش کی سعد صحیح طریقے سے نماز نہیں پڑھاتے، شکایت کنندگان میں بنواسد قبیلہ کے لوگ پیش پیش تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حقائق جاننے کے لیے حضرت محمد بن مسلمہ کو کوفہ بھیجا، انہوں نے وہاں کی ہر ایک مسجد میں جا کر اس بارے میں لوگوں سے تحقیقات کیں تو الزام لگانے والی جماعت کے سوا تمام افراد نے حضرت سعد پر عائد الزام کو بے بنیاد قرار دیا اور کہا کہ ہم نے سعد میں بھلائی کے سوا کچھ نہ دیکھا۔ ابن مسلمہ، حضرت سعد اور فریق مخالف کے کچھ افراد کو

ساتھ لے کر مدینہ واپس ہوئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فریق مخالف کا بیان سن کر حضرت سعد سے دریافت کیا کہ "آپ کس طرح نماز پڑھاتے ہیں کہ ان لوگوں کو شکایت پیدا ہوئی" حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "پہلی دو رکعتوں میں طویل سورتیں پڑھتا ہوں اور آخری دو رکعتوں میں صرف سورۂ فاتحہ پڑھتا ہوں۔" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کی تصویب کی اور فرمایا "اے ابواسحاق مجھے تم سے یہی توقع تھی" تاہم آپ نے حضرت سعد کو کوفہ کی امارت پر واپس بھیجنا مناسب نہیں سمجھا کہ مخالفین کوئی اور مسئلہ کھڑا نہ کر دیں (۴۶) اس بات پر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ حقیقت افروز اور رقت انگیز انداز میں فرماتے ہیں کہ "میں عربوں میں پہلا شخص ہوں جس نے راہِ خدا میں تیر چلایا ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں غزوات میں شریک ہوتے تھے اور کیفیت یہ تھی کہ ہمیں کھانے کو سوائے کیکر اور جنگلی درختوں کے پتوں کے کچھ نہیں ملتا تھا اور بھوک کی شدت کے سبب ہم وہی کھایا کرتے تھے جس کی وجہ سے ہم اونٹ اور بکری کی طرح مینگنیاں کرتے تھے۔" حضرت سعد درحقیقت یہ واضح کر رہے ہیں کہ وہ اسلام کے ابتدائی دَور ہی سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق و ساتھی ہیں اور اس وقت سے ہی آپ سے علم دین اخذ کرتے رہے ہیں اس لیے دین کے احکام سے مکمل واقفیت رکھتے ہیں لیکن صورتحال یہ ہے کہ "بنواسد قبیلہ (۴۷) کے لوگ مجھے دین سکھا رہے ہیں اور اگر اتنی طویل صحبت نبوی کے باوجود ان لوگوں سے مجھے دین سیکھنے کی ضرورت ہے جو اس وقت موجود نہیں تھے تو ایسی صورت میں مَیں ناکام ہو گیا اور میرا عمل رائیگاں گیا۔" گویا حضرت سعدؓ نے اس امر کی نشان دہی کر دی کہ جو لوگ صحابہ کرام پر دین کے حوالے سے اعتراضات اُٹھاتے ہیں درحقیقت وہ اس امر کا اظہار کرتے ہیں صحابہ کرام ناکام افراد تھے اور ان کے عمل کی ساری متاع اور پونجی ضائع گئی، ان کا یہ تصور دین میں رخنہ ڈالنے کے مترادف ہے کہ اگر وہ براہِ راست بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قابل اطمینان

طریقے پر علم دین حاصل نہ کر سکے تو بعد کے افراد کس طور پر دین کی حقیقی مراد کو صحیح طور پر پا سکتے ہیں کیونکہ دین کو اس کے تاریخی تسلسل سے ہی سمجھا جا سکتا ہے جب کہ اس کو نظر انداز کرنے کی صورت میں فکری کجی کا پیدا ہونا ایک لازمی نتیجہ ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ ایک مسلمان کو بہر صورت عَلَم جہاد بلند رکھنا چاہیے اور اس راستے میں کوئی مسئلہ حائل اور رکاوٹ نہیں بننا چاہیے اور جب تک مسلمانوں میں عمل جہاد ان کی زندگی کی دیگر مصروفیات پر غالب و فائق رہا اس وقت تک وہ سرخرو رہے اور جب انہوں نے اپنی جدوجہد کا محور جاہ و اقتدار کے حصول اور سرمایہ اندوزی کو بنالیا تو اس وقت سے وہ تنزلی کی راہیں طے کر رہے ہیں، چنانچہ یہی سبب ہے کہ حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تمام مسلمانوں اور ان کے متعلقین کے وظائف مقرر کر کے ان پر مال جمع کرنے اور کاشت کاری وغیرہ کے معاملات میں دخیل ہونے پر پابندی لگادی گئی تاکہ وہ ہر وقت جہاد کے لیے مستعد اور تیار رہیں اور کوئی چیز ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔(۴۸)

فائدہ: امام مسلمؒ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی یہ حدیث اپنے دو اساتذہ یعنی یحییٰ بن حبیب وارثی اور محمد بن عبداللہ بن نمیر سے روایت کی ہے۔ ''اذا'' کا حرف یحییٰ کی روایت میں ہے اور ابن نمیر کی روایت میں نہیں ہے اور یہ امام مسلمؒ کی غایت احتیاط اور ان کا امتیاز ہے کہ وہ استاذ کی روایت کے ہر لفظ کو ذہن میں رکھتے ہیں اور معنی و مفہوم کی یکسانیت کے باوجود الفاظ کا معمولی فرق بھی ذکر کرتے ہیں۔

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا خطبہ

حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ عُمَيْرٍ الْعَدَوِيِّ قَالَ خَطَبَنَا عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ الدُّنْيَا قَدْ آذَنَتْ بِصَرْمٍ وَوَلَّتْ حَذَّاءَ وَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا إِلَّا صُبَابَةٌ كَصُبَابَةِ الْإِنَاءِ يَتَصَابُّهَا صَاحِبُهَا وَإِنَّكُمْ مُنْتَقِلُونَ مِنْهَا إِلَى دَارٍ لَا زَوَالَ لَهَا فَانْتَقِلُوا بِخَيْرِ مَا بِحَضْرَتِكُمْ فَإِنَّهُ قَدْ ذُكِرَ لَنَا أَنَّ الْحَجَرَ يُلْقَى مِنْ شَفَةِ جَهَنَّمَ فَيَهْوِي فِيهَا سَبْعِينَ عَامًا لَا يُدْرِكُ لَهَا قَعْرًا وَوَاللَّهِ لَتُمْلَأَنَّ أَفَعَجِبْتُمْ وَلَقَدْ ذُكِرَ لَنَا أَنَّ مَا بَيْنَ مِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيعِ الْجَنَّةِ مَسِيرَةُ أَرْبَعِينَ سَنَةً وَلَيَأْتِيَنَّ عَلَيْهَا يَوْمٌ وَهُوَ كَظِيظٌ مِنَ الزِّحَامِ وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي سَابِعَ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الشَّجَرِ حَتَّى قَرِحَتْ أَشْدَاقُنَا فَالْتَقَطْتُ بُرْدَةً فَشَقَقْتُهَا بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ فَاتَّزَرْتُ بِنِصْفِهَا وَاتَّزَرَ سَعْدٌ بِنِصْفِهَا فَمَا أَصْبَحَ الْيَوْمَ مِنَّا أَحَدٌ إِلَّا أَصْبَحَ أَمِيرًا عَلَى مِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ وَإِنِّي أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ فِي نَفْسِي عَظِيمًا وَعِنْدَ اللَّهِ صَغِيرًا وَإِنَّهَا لَمْ تَكُنْ نُبُوَّةٌ قَطُّ إِلَّا تَنَاسَخَتْ حَتَّى يَكُونَ آخِرُ عَاقِبَتِهَا مُلْكًا فَسَتَخْبُرُونَ وَتُجَرِّبُونَ الْأُمَرَاءَ بَعْدَنَا۔

(خالد بن عمیر عدوی سے روایت ہے عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ہمارے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا چنانچہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اور ثنا کی پھر کہا بعد حمد و صلوٰۃ کے جان لو کہ دنیا نے (اپنے) ختم ہونے کی خبر دی اور دنیا میں سے کچھ باقی نہ رہا مگر جیسے برتن میں کچھ بچا ہوا پانی رہ جاتا ہے جس کو اس کا مالک بچار کھتا ہے اور تم دنیا سے ایسے گھر کو جانے والے ہو جس کو زوال نہیں تو اپنے سامنے نیک اعمال کر کے جاؤ اس لیے کہ ہم سے بیان کیا گیا کہ پتھر جہنم کے ایک کنارے سے ڈالا

جائے گا اور ستر برس تک اس میں اترتا جائے گا اور اس کی تہہ کو نہ پہنچے گا قسم خدا کی جہنم بھری جائے گی کیا تم تعجب کرتے ہو اور ہم سے بیان کیا گیا کہ جنت کے ایک کنارے سے لے کر دوسری کنارے تک چالیس برس کا سفر ہے اور ایک دن ایسا آئے گا کہ جنت لوگوں کے ہجوم سے بھری ہوگی اور تم نے دیکھا ہوتا میں ان سات شخصوں میں سے ساتواں تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہمارا کھانا کچھ نہ تھا سوا درخت کے پتوں کے یہاں تک کہ ہمارے گلپھڑے زخمی ہوگئے (بوجہ پتوں کی حرارت اور سختی کے) میں نے ایک چادر پائی اور اس کو پھاڑ کر دو ٹکڑے کیئے ایک ٹکڑے کا میں نے تہبند بنایا اور دوسرے ٹکڑے کا سعد بن مالک نے۔ اب آج کے روز کوئی ہم میں سے ایسا نہیں ہے جو کسی شہر کا حاکم نہ ہو اور میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی اس بات سے کہ میں اپنے تئیں بڑا سمجھوں اور اللہ کے نزدیک چھوٹا ہوں اور بے شک کسی پیغمبر کی نبوت (دنیا میں) ہمیشہ نہیں رہی بلکہ نبوت ختم ہوگئی یہاں تک کہ آخری انجام اس کا یہ ہوا کہ وہ سلطنت (میں تبدیل) ہوگئی تو تم عنقریب پاؤ گے اور تجربہ کرو گے ان امیروں کا جو ہمارے بعد آئیں گے)۔

و حَدَّثَنِي إِسْحَقُ بْنُ عُمَرَ بْنِ سَلِيطٍ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ هِلَالٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ عُمَيْرٍ وَقَدْ أَدْرَكَ الْجَاهِلِيَّةَ قَالَ خَطَبَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ وَكَانَ أَمِيرًا عَلَى الْبَصْرَةِ فَذَكَرَ نَحْوَ حَدِيثِ شَيْبَانَ۔

(دوسری روایت ہے خالد بن عمیر جنہوں نے جاہلیت کا زمانہ پایا تھا اور وہ کہتے ہیں کہ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے امیر بصرہ کی حیثیت میں خطاب فرمایا)

و حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ قُرَّةَ بْنِ خَالِدٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ عَنْ خَالِدِ بْنِ عُمَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ عُتْبَةَ بْنَ غَزْوَانَ يَقُولُا لَقَدْ رَأَيْتُنِي سَابِعَ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا طَعَامُنَا إِلَّا وَرَقُ الْحُبْلَةِ حَتَّى قَرِحَتْ أَشْدَاقُنَا

(خالد بن عمیر سے روایت ہے میں نے سنا عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے وہ کہتے تھے تم مجھے دیکھتے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ (ابتدائی) سات آدمیوں میں سے ساتواں شخص تھا اور ہمارا کھانا کچھ نہ تھا سوا حبلہ (کیکر نما ایک درخت ہے) کے پتوں کے۔)

اس حدیث میں حضرت عتبہ بن غزوان کے خطبہ اور تقریر کا ذکر ہے۔ یہ اسلام قبول کرنے والے ساتویں فرد تھے اور مدینہ ہجرت کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں غزوۂ بدر سمیت تمام غزوات میں شرکت کی خلیفہ راشد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک لشکر کا امیر بنا کر عراق بھیجا تھا چنانچہ ان کی فوج نے ایلہ اور بصرہ کے شہر فتح کیے اور بعد میں وہ ان کے گورنر مقرر ہوئے، انہوں نے وہاں ایک بڑی مسجد بانسوں پر بنائی بعد ازیں جب حج کے لیے آئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے منصب سے استعفیٰ پیش کیا لیکن انہوں نے اسے منظور نہیں کیا اس پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انہیں واپس نہ بھیجے چنانچہ ۱۷ھ میں جب وہ مکہ مکرمہ سے بصرہ واپس آرہے تھے تو معدن بنی سلیم یا ربذہ کے مقام پر سواری سے گر کر جاں بحق ہوگئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حدیث میں مذکور خطبہ انہوں نے ایلہ اور بصرہ کے حاکم کی حیثیت میں دیا تھا۔ (۴۹)

اس خطبہ میں انہوں نے دنیا کی بے ثباتی پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ دنیا کا انجام بہت قریب ہے اور وہ جلد ہی منہ پھیر کر جانے والی ہے، اور دنیا کی مدت کم و بیش اسی قدر رہ گئی ہے جس قدر کسی برتن سے پانی پینے کے بعد بچ رہتا ہے اور موجودہ دَور میں جب کہ ایٹمی جنگ کے سائے ہر وقت منڈلاتے رہتے ہیں یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ دنیا کی عمر کسی وقت بھی پوری ہو سکتی ہے اور بقیہ زندگی برتن کی تلچھٹ کی مانند ہی محسوس ہوتی ہے جب کہ اس دنیا سے انسان نے ایسے جہاں کی طرف منتقل ہونا ہے جس کو زوال نہیں، بقاء و دوام ہے لہٰذا دنیا کے

مشکوک مستقبل کے لیے تمام تر توانائیاں صرف کرنے کی بجائے عقل و دانش کا تقاضہ یہ ہے کہ اس دنیا میں رضائے الٰہی اور انسان دوستی پر مبنی ایسے اعمال اختیار کیے جائیں جنکے حقیقی ثمرات و فوائد سے آخرت میں فائدہ اُٹھایا جاسکے گویا انسان کی موت اس کی مکمل فنا نہیں ہے بلکہ یہ ایک ارتقائی کڑی ہے کہ انسان اس عمل سے گزر کر زیادہ بہتر اور پائیدار منزل کی طرف پیش قدمی کرتا ہے ، دراصل انسانی زندگی کی ترتیب کچھ اس انداز سے ہے کہ جب انسانی معاشرہ کا اقتصادی نظام درست ہو جاتا ہے تو اس کے سامنے اپنے اخلاق کی تکمیل کے لیے راستہ کھل جاتا ہے، اس دنیا کی زندگی میں اگر انسان کے اخلاق صحیح طور پر پایہ تکمیل کو پہنچ جائیں تو مرنے کے بعد اس کو قبر اور حشر کی مصیبتوں سے نجات مل جاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ حیات بعد الموت میں انسان کا جنت کی نعمتوں سے مستفید ہونا دراصل اسی تکمیل اخلاق کا نتیجہ ہے جو انسان دنیا کی اس زندگی میں کرتا ہے، اب حیات انسانی کا ایک درجہ تو دنیا کی یہ زندگی ہے، انسان اس میں اپنے اخلاق کی تکمیل کرنے کے بعد دنیا سے رخصت ہو کر موت کی راہ طے کر کے جنت میں پہنچتا ہے۔ یہ اس کی زندگی کا دوسرا درجہ ہے، یہاں پہنچ کر اس کی ترقی کا قدم رک نہیں جاتا اور وہ آگے بڑھتا ہے اور زندگی کے تیسرے درجہ میں قدم رکھتا ہے، یہاں اسے "رویت رب العالمین" کی سعادت کبریٰ سے سرفراز ہونے کی صلاحیت حاصل ہوتی ہے (۵۰) گویا ایک کامل انسان کی ترقی کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا ہے اور موت ایک ناگزیر عمل ہے اور بہتر مستقبل اور خوش حال دائمی زندگی کے حوالے سے ایک نعمت ہے اس لیے موت کو ایسے پل سے تشبیہ دی گئی ہے جو ایک دوست کو دوسرے دوست سے ملا دیتا ہے مادہ پرست افراد کے ہاں موت مکمل فنا اور نہایت افسردہ حقیقت کا نام ہے لیکن دین فطرت نے اس سے خوف زدہ کرنے کی بجائے اس کے خوشگوار پہلو کو واضح کیا ہے تاکہ کوئی صاحب ایمان اعلیٰ تر مقاصد کے لیے جاں نثاری سے گریز نہ کرے۔

اس خطبہ میں حضرت عتبہ نے آخرت کے خوشگوار اور ناگوار دونوں پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بدکردار لوگوں سے جہنم کو بھرا جائے گا جس کی گہرائی کا عالم یہ ہے کہ اگر کوئی پتھر اس کے کنارے سے لڑھکایا جائے تو وہ ستر سال تک لڑھکنے کے باوجود اس کی تہہ تک نہ پہنچ سکے گا۔ چونکہ اس جہاں کے امور کی کیفیات یہاں سے بالکل مختلف ہیں اس لیے اس قدر گہرائی تعجب خیز نہیں جب کہ نیک کردار افراد کا جنت کے وسیع و عریض دروازے پر ہجوم ہوگا جب کہ اس کی دونوں چوکھٹوں کے درمیان چالیس سال چلنے کی مسافت کے بقدر ہوگا، گویا اس قدر وسعت بھی اس روز تنگ محسوس ہوگی۔

بعدازیں حضرت عتبہؓ نے مسلمانوں کی ابتدائی اور موجودہ حالت کا موازنہ کیا اور بتایا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں اسلام قبول کرنے والے ساتویں فرد تھے اور ابتدائی دور کے مسلمانوں کے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہوا کرتا تھا اور وہ درختوں کے پتے کھا کر اپنی زندگی کو سہارا دیتے تھے، اور پتے کھانے سے ان کے گلپھڑے زخمی ہو جاتے تھے، یہ تو خوراک کی صورت حال تھی جب کہ لباس کی کیفیت یہ تھی کہ انہیں ایک دھاری دار چادر ملی تو انہوں نے اس کے دو حصے کر دیئے جو انہوں نے اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بطور تہبند استعمال کیے یعنی اعلیٰ نصب العین کی خاطر صحابہ کرام نے تنگ دستی کی زندگی بسر کی پھر انہوں نے موجودہ صورت حال کے بارے میں کہا کہ آج ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا حاکم ہے گویا ان مع العسر یسرا (۵۱) (یقیناً تنگی کے ساتھ آسانی ہے) کی ایک جھلک ہے۔

حضرت عتبہ چونکہ صحبت نبوی کے سبب تربیت یافتہ تھے اس لیے منصب حکومت پر فائز ہونے کے باوجود خود احتسابی کے احساس کے تحت فوراً ہی اس امر سے اللہ کی پناہ طلب کی کہ وہ اپنے تئیں تو بڑے ہوں یعنی عجب اور تکبر کا شکار

ہو جائیں لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں بے وقعت ہوں اسی بناء پر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلقین کردہ ایک دعا یہ بھی تھی اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا وفی اعین الناس کبیرا (۵۲) (اے اللہ مجھے اپنی نظروں میں چھوٹا اور لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا)

خطبہ کے آخر میں حضرت عتبہؓ نے یہ حقیقت آشکارا کی کہ جدوجہد کے ابتدائی دور میں سرمایہ پرستی کی بجائے زہد اور حقیقت شناسی کے جذبات غالب ہوتے ہیں لیکن پھر رفتہ رفتہ یہ کیفیت ختم ہونے لگ جاتی ہے یہاں تک کہ انجام کار جاہ پسندی، اقتدار کی ہوس اور سرمایہ اندوزی کی حرص وطمع کے جذبات کی بالادستی ہو جاتی ہے چنانچہ تم ہمارے بعد اپنے حکمرانوں کو آزماؤ گے اور ان کے اقتدار کا تمہیں تجربہ ہو جائے گا۔

فائدہ: امام مسلم نے دوسری روایت سے اس امر کو متعین کیا ہے کہ مذکورہ خطبہ انہوں نے امیر بصرہ کی حیثیت سے دیا تھا اور یہ کہ ان سے روایت کرنے والے خالد بن عمیر، مخضرم ہیں یعنی انہوں نے اسلام سے پہلے جاہلیت کا زمانہ بھی پایا ہے جب کہ تیسری روایت سے مقصود یہ ہے کہ حمید بن ہلال کے دو شاگرد ہیں، سلیمان بن مغیرہ اور قرہ بن خالد۔ سلیمان کی روایت میں مطلق درخت کے پتوں کے کھانے کا ذکر ہے، جب کہ قرہ کی روایت میں اس درخت کا تعین کیا گیا ہے کہ وہ کیکر کا درخت ہے۔

رویت خداوندی اور کافر و منافق کا احتساب

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ هَلْ نَرَى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ هَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ فِي الظَّهِيرَةِ لَيْسَتْ فِي سَحَابَةٍ قَالُوا لَا

قَالَ فَهَلْ تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ فِي سَحَابَةٍ قَالُوا لَا قَالَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ إِلَّا كَمَا تُضَارُّونَ فِي رُؤْيَةِ أَحَدِهِمَا قَالَ فَيَلْقَى الْعَبْدَ فَيَقُولُ أَيْ فُلْ أَلَمْ أُكْرِمْكَ وَأُسَوِّدْكَ وَأُزَوِّجْكَ وَأُسَخِّرْ لَكَ الْخَيْلَ وَالْإِبِلَ وَأَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ فَيَقُولُ بَلَى قَالَ فَيَقُولُ أَفَظَنَنْتَ أَنَّكَ مُلَاقِيَّ فَيَقُولُ لَا فَيَقُولُ فَإِنِّي أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي ثُمَّ يَلْقَى الثَّانِيَ فَيَقُولُ أَيْ فُلْ أَلَمْ أُكْرِمْكَ وَأُسَوِّدْكَ وَأُزَوِّجْكَ وَأُسَخِّرْ لَكَ الْخَيْلَ وَالْإِبِلَ وَأَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ فَيَقُولُ بَلَى أَيْ رَبِّ فَيَقُولُ أَفَظَنَنْتَ أَنَّكَ مُلَاقِيَّ فَيَقُولُ لَا فَيَقُولُ فَإِنِّي أَنْسَاكَ كَمَا نَسِيتَنِي ثُمَّ يَلْقَى الثَّالِثَ فَيَقُولُ لَهُ مِثْلَ ذَلِكَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ آمَنْتُ بِكَ وَبِكِتَابِكَ وَبِرُسُلِكَ وَصَلَّيْتُ وَصُمْتُ وَتَصَدَّقْتُ وَيُثْنِي بِخَيْرٍ مَا اسْتَطَاعَ فَيَقُولُ هَاهُنَا إِذًا قَالَ ثُمَّ يُقَالُ لَهُ الْآنَ نَبْعَثُ شَاهِدَنَا عَلَيْكَ وَيَتَفَكَّرُ فِي نَفْسِهِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْهَدُ عَلَيَّ فَيُخْتَمُ عَلَى فِيهِ وَيُقَالُ لِفَخِذِهِ وَلَحْمِهِ وَعِظَامِهِ انْطِقِي فَتَنْطِقُ فَخِذُهُ وَلَحْمُهُ وَعِظَامُهُ بِعَمَلِهِ وَذَلِكَ لِيُعْذِرَ مِنْ نَفْسِهِ وَذَلِكَ الْمُنَافِقُ وَذَلِكَ الَّذِي يَسْخَطُ اللَّهُ عَلَيْهِ۔

(ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم اپنے پروردگار کو قیامت کے دن دیکھیں گے آپ نے فرمایا کیا تم عین دوپہر میں آفتاب کے دیکھنے میں جب کہ بادل نہ ہوں دھکم پیل کرتے ہو، صحابہ نے کہا کہ نہیں حضرت نے فرمایا سو کیا تم چودھویں رات کو جب کہ بادل نہ ہوں چاند دیکھنے میں ایک دوسرے سے مزاحمت کرتے ہو، اصحاب نے کہا نہیں، آپ نے فرمایا سو قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم اپنے رب کے دیدار میں باہمی دھکم پیل نہ کرو گے مگر جیسے سورج یا چاند کے دیکھنے میں (یعنی جیسے چاند سورج کی رویت میں باہمی مزاحمت نہیں ہوتی ویسے ہی خدا تعالیٰ کی رویت میں

مزاحمت نہ ہوگی) پھر حق تعالیٰ سے ایک بندہ ملے گا تو اللہ کہے گا اے فلاں بندے کیا میں نے تجھ کو عزت نہیں دی اور تجھ کو معزز نہیں بنایا اور تجھ کو تیرا جوڑا نہیں دیا اور گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرا تابع نہیں کیا اور تجھ کو اس حالت میں چھوڑا کہ تو اپنی قوم کی سربراہی کرتا تھا اور (ان سے) چوتھ (ٹیکس) لیتا تھا تو بندہ کہے گا کہ سچ ہے۔ تو حق تعالیٰ فرمائے گا بھلا تجھ کو معلوم تھا کہ تو مجھ سے ملے گا۔ سو بندہ کہے گا کہ نہیں تو حق تعالیٰ فرمائے گا کہ اب ہم بھی تجھ کو بھولتے ہیں (یعنی تیری خبر نہ لیں گے اور تجھ کو عذاب سے نہ بچائیں گے) جیسے تو ہم کو بھولا پھر خدا تعالیٰ دوسرے بندہ سے حساب کرے گا تو کہے گا اے فلاں بھلا میں نے تجھ کو عزت نہیں دی اور تجھ کو معزز نہیں بنایا اور تجھ کو تیرا جوڑا نہیں دیا اور گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرا تابع نہیں کیا اور تجھ کو اس حالت میں چھوڑا کہ تو اپنی قوم کی سرداری کرتا تھا اور چوتھ (ٹیکس) لیتا تھا تو بندہ کہے گا سچ ہے اے میرے رب پھر خدا تعالیٰ فرمائے گا بھلا تجھ کو معلوم تھا کہ تو مجھ سے ملے گا تو بندہ کہے گا کہ نہیں۔ پھر خدا تعالیٰ فرمائے گا سو میں بھی اب تجھے بھلا دیتا ہوں جیسے تو مجھ کو دنیا میں بھولا تھا، پھر تیسرے بندہ سے حساب کرے گا اس سے بھی اسی طرح کہے گا، بندہ کہے گا اے رب میں تجھ پر اور تیری کتاب پر اور تیرے رسولوں پر ایمان لایا اور میں نے نماز پڑھی اور روزہ رکھا صدقہ دیا اسی طرح اپنی تعریف کرتا جائے گا جہاں تک اس سے ہو سکے گا، حق تعالیٰ فرمائے گا دیکھ یہیں تیرا جھوٹ کھلا جاتا ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر حکم ہوگا اب ہم تیرے اوپر گواہ کھڑا کرتے ہیں، بندہ اپنے جی میں سوچے گا کہ کون مجھ پر گواہی دے گا، پھر اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور حکم ہوگا اس کی ران سے کہ بول تو اس کی ران اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اس کے اعمال کی گواہی دیں گی، اور یہ گواہی اس واسطے ہوگی تاکہ اپنی ذات کی گواہی کی وجہ سے اس کا کوئی عذر اور اشکال باقی نہ رہے اور یہ شخص منافق یعنی جھوٹا مسلمان ہوگا اور اسی پر خدا تعالیٰ غصہ کرے گا (جب کہ پہلے دونوں کافر تھے)۔

اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ کیا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی زیارت ہو گی؟ بظاہر سوال کا منشاء یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کو اس میں تو اشکال نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کی زیارت ہو گی یا نہیں، مسئلہ یہ تھا کہ اس دنیا میں کسی کی زیارت کے وقت لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور قابل اطمینان طریقے سے زیارت نہیں ہو پاتی تو کیا اللہ تعالیٰ کی زیارت بھی اسی انداز کی ہو گی، آپ نے جواب میں دریافت کیا کہ کیا دوپہر کے وقت جب کہ بادل نہ ہوں سورج کو دیکھنے میں کوئی مزاحمت اور دھکم پیل ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے، پھر مزید دریافت کیا کہ کیا چودھویں چاند کو جب کہ بادل نہ ہوں دیکھنے میں کوئی مزاحمت ہوتی ہے، اس کا جواب بھی نفی میں تھا، پھر آپ نے فرمایا بخدا اپنے رب کو دیکھنے میں تم کو ایک دوسرے کے لیے رکاوٹ نہیں بنو گے جیسا کہ سورج و چاند کے دیکھنے میں رکاوٹ نہیں بنتے، واضح رہے یہاں صرف دیکھنے کی سہولت کے اعتبار سے تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کو سورج و چاند سے کوئی تشبیہ دینا مقصود ہے۔

اس دنیا میں رویت باری تعالیٰ نہیں ہو سکتی جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ جب ان کی جانب سے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی درخواست کے جواب میں تجلی کی ایک جھلک ظاہر ہوئی تو پہاڑ ریزہ ریزہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوگئے، بعد میں ہوش آنے پر اپنے تقاضے سے رجوع کیا (۵۳) تاہم اہلِ حق کا اس پر اجماع ہے کہ آخرت میں اہل ایمان کو رویت باری تعالیٰ کی سعادت کبریٰ عطا ہو گی تاہم اللہ تعالیٰ کی ذات کا احاطہ ناممکن ہو گا (۵۴) کیونکہ اس کا کوئی حدود اربعہ نہیں کہ آنکھوں میں سما سکے۔

علاوہ ازیں اس حدیث میں روز قیامت، تین افراد سے اللہ تعالیٰ کی گفتگو کا ذکر ہے کہ پہلے ان سے ان نعمتوں کا اعتراف کرایا جائے گا جو اس دنیا میں ان پر

ہوئیں مثلاً عزت و سیادت کا دیا جانا، شادی کرایا جانا، جانوروں کا تابع کیا جانا، قوم کی معتبر شخصیت بنایا جانا اور آرام کی زندگی بسر کرنا وغیرہ (۵۵) بعدازاں سوال کیا جائے گا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے یعنی عقیدۂ آخرت پر ایمان رکھتے تھے، تو ان میں سے دو کا جواب نفی میں ہوگا چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں فراموش کر دے گا جیسے انہوں نے دنیا میں اللہ کو فراموش کیے رکھا (یہاں پر نسیان کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ نہیں کہ واقعتاً اللہ تعالیٰ بھول جاتا ہے بلکہ مقصود نسیان کا لازمی نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں رحمت سے دور کر دے گا)۔(۵٦) جب کہ تیسرے شخص کا جواب ہوگا کہ وہ اللہ تعالیٰ، اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا، نمازیں ادا کیں، روزے رکھے، اور راہِ خدا میں خرچ کیا اور یوں وہ اپنی کئی اور نیکیاں بھی بتائے گا، اس موقع پر اس کے ان دعووں کی آزمائش کے طور پر اس کی زبان سے قوت گویائی سلب کر کے اس کے دیگر اعضاء سے حقیقت حال معلوم کی جائے گی اور یوں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا، گو اللہ تعالیٰ تمام حقائق سے بخوبی واقف ہے لیکن یہ عمل اس لیے کیا جائے گا تاکہ مجرم کے جرم کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شک کسی کے ذہن میں باقی نہ رہ جائے اور اس کا نفاق سب کے سامنے عیاں ہو جائے، گویا نفاق کا انجام کفر کے انجام سے زیادہ عبرت انگیز اور فضیحت آمیز ہے۔

فائدہ: اس سے پہلے کی حدیث میں چونکہ جنت اور جہنم کا ذکر ہوا تھا، غالباً اسی مناسبت سے احوال قیامت سے متعلق حدیث یہاں بیان کی گئی ہے۔

انسانی کردار کے عینی گواہ

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ النَّضْرِ بْنِ أَبِي النَّضْرِ حَدَّثَنِي أَبُو النَّضْرِ هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ الْأَشْجَعِيُّ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنْ عُبَيْدٍ الْمُكْتِبِ عَنْ فُضَيْلٍ عَنْ الشَّعْبِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ فَقَالَ هَلْ تَدْرُونَ مِمَّ أَضْحَكُ قَالَ قُلْنَا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ مِنْ مُخَاطَبَةِ الْعَبْدِ رَبَّهُ يَقُولُ يَا رَبِّ أَلَمْ تُجِرْنِي مِنَ الظُّلْمِ قَالَ يَقُولُ بَلَى قَالَ فَيَقُولُ فَإِنِّي لَا أُجِيزُ عَلَى نَفْسِي إِلَّا شَاهِدًا مِنِّي قَالَ فَيَقُولُ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ شَهِيدًا وَبِالْكِرَامِ الْكَاتِبِينَ شُهُودًا قَالَ فَيُخْتَمُ عَلَى فِيهِ فَيُقَالُ لِأَرْكَانِهِ انْطِقِي قَالَ فَتَنْطِقُ بِأَعْمَالِهِ قَالَ ثُمَّ يُخَلَّى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَلَامِ قَالَ فَيَقُولُ بُعْدًا لَكُنَّ وَسُحْقًا فَعَنْكُنَّ كُنْتُ أُنَاضِلُ۔

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے اتنے میں آپ ہنسے آپ نے فرمایا تم جانتے ہو میں کس واسطے ہنسا ہوں؟ ہم نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا بندے کی اس گفتگو پر ہنسا ہوں جو وہ اپنے مالک سے کرے گا بندہ کہے گا اے میرے مالک کیا تو مجھ کو ظلم سے پناہ نہیں دے چکا ہے (یعنی تو نے وعدہ کیا ہے کہ ظلم نہ کروں گا) حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ جواب دے گا کہ ہاں ہم ظلم نہیں کرتے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر بندہ کہے گا کہ میں اپنے اوپر اپنی ذات کی گواہی کے علاوہ کسی اور کی گواہی کی اجازت نہیں دیتا پروردگار فرمائے گا اچھا تیری ہی ذات کی گواہی تجھ پر آج کے دن کافی ہے اور کراماً کاتبین (انسانی اعمال کی روئیداد لکھنے والے معزز فرشتوں) کی گواہی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پھر بندہ کے منہ پر مہر لگادی جائے گی اور اس کے ہاتھ

پاؤں کو حکم ہو گا بولو! وہ اس کے سارے اعمال بتا دیں گے پھر بندہ کو بات کرنے کی اجازت دی جائے گی، بندہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کہے گا چلو دور ہو جاؤ خدا کی مار تم پر میں تو تمہاری طرف سے جھگڑا کر رہا تھا (یعنی تمہارا ہی بچانا دوزخ سے مجھ کو منظور تھا سو تم آپ ہی گناہ کا اقرار کر چکے اب دوزخ میں جاؤ)۔

امام مسلمؒ نے گزشتہ حدیث کے مضمون کی تائید میں یہ دوسری حدیث ذکر کی ہے جس میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ ہنسے اور پھر اس کی وجہ بتائی کہ قیامت کے روز انسان اپنے آپ کو عذاب سے بچانے کے لیے مطالبہ کرے گا کہ اس کے بارے گواہ وہی ہو جس سے اس کا تعلق ہو، چنانچہ اس کے اپنے اعضاء حقیقت حال بتائیں گے اور ان اعمال کی نقاب کشی کریں گے جو ان سے سرزد ہوئے، بعد میں وہ اپنے ہی اعضاء کو برا بھلا کہے گا کیونکہ اس کا جھوٹ بولنا اور اپنے من پسند گواہوں کا مطالبہ کرنا اپنے اعضاء کو جہنم کے عذاب سے بچانے کے لیے تھا، انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ زبان سے جھوٹ بولنے کی طاقت بھی سلب کر لی جائے اور وہ صرف سچ بولے لیکن اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی زبان، انسان کے اختیار میں رکھی۔

الغرض ہمارے اعضاء سے جو اعمال سرزد ہوتے ہیں وہ تحلیل ہو کر ختم نہیں ہو جاتے بلکہ وہ قیامت کے روز مختلف شکلیں اور نوعیتیں اختیار کر کے مختلف لذتیں اور عذاب کی صورتیں وجود میں لے آئیں گے، گویا ہمارے اعمال نہ صرف کیسٹ ریکارڈر کی مانند محفوظ ہو جاتے ہیں بلکہ متعلقہ اعضاء بھی ان پر گواہ بن جاتے ہیں اور جب قیامت کے روز انہیں قوت گویائی ملے گی تو انسان سوائے جھنجھلانے اور برا بھلا کہنے کے کچھ نہ کر سکے گا کیونکہ گواہی کے لیے اس کی مقرر کردہ شرط پہلے ہی پوری کر دی گئی، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ ایسے عینی گواہوں کی موجودگی میں ہر وقت اپنے کردار کو بہترین انفرادی و اجتماعی خطوط پر استوار کرنے کی جدوجہد کرے اور

سرمایہ پرستی و جاہ پرستی کے منفی جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے کردار کو داغدار بنانے سے گریز کرے اور یہی زہد کا مفہوم ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معاشی زندگی

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوتًا.

و حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَعَمْرٌو النَّاقِدُ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالُوا حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ عَنْ أَبِي زُرْعَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوتًا وَفِي رِوَايَةِ عَمْرٍو اللَّهُمَّ ارْزُقْ و حَدَّثَنَاه أَبُو سَعِيدٍ الْأَشَجُّ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ ذَكَرَ عَنْ عُمَارَةَ بْنِ الْقَعْقَاعِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَقَالَ كَفَافًا.

(ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی یا اللہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل کو بقدر کفاف روزی دے۔)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَإِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ إِسْحَقُ أَخْبَرَنَا و قَالَ زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ مِنْ طَعَامِ بُرٍّ ثَلَاثَ لَيَالٍ تِبَاعًا حَتَّى قُبِضَ.

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَإِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ إِسْحَقُ أَخْبَرَنَا و قَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنْ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ

عَنْ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ تِبَاعًا مِنْ خُبْزِ بُرٍّ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيلِهِ۔

(ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل جب سے آپ مدینہ میں تشریف لائے کبھی تین دن مسلسل گیہوں کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ نے وفات پائی۔)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنّٰى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ يَزِيدَ يُحَدِّثُ عَنْ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ شَعِيرٍ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(اس دوسری روایت میں یہ ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو دن تک برابر جو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے۔)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَابِسٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ فَوْقَ ثَلَاثٍ۔

(اس روایت میں ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن سے زیادہ گیہوں کی روٹی سے سیر نہ ہوئے۔)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الْبُرِّ ثَلَاثًا حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيلِهِ۔

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ مِسْعَرٍ عَنْ هِلَالِ بْنِ حُمَيْدٍ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَيْنِ مِنْ خُبْزِ بُرٍّ إِلَّا وَأَحَدُهُمَا تَمْرٌ۔

(ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل خانہ (مسلسل) دو دن تک گیہوں کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے مگر ان میں سے ایک دن صرف کھجور ہوتی۔)

حَدَّثَنَا عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ بْنُ سُلَيْمَانَ قَالَ وَيَحْيَى بْنُ يَمَانٍ حَدَّثَنَا عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنْ كُنَّا آلَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَنَمْكُثُ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ إِنْ هُوَ إِلَّا التَّمْرُ وَالْمَاءُ۔

(حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ہم آل محمد کا یہ حال تھا کہ مہینہ مہینہ بھر تک آگ نہ سلگاتے صرف کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے۔)

وحَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَأَبُو كُرَيْبٍ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ وَابْنُ نُمَيْرٍ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ إِنْ كُنَّا لَنَمْكُثُ وَلَمْ يَذْكُرْ آلَ مُحَمَّدٍ وَزَادَ أَبُو كُرَيْبٍ فِي حَدِيثِهِ عَنْ ابْنِ نُمَيْرٍ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَا اللُّحَيْمُ۔

دوسری روایت میں اتنا اضافہ ہے سوائے اس کے کہ جب گوشت ہمارے پاس آتا (تو آگ سلگاتے۔)

حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ بْنِ كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فِي رَفِّي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ فِي رَفٍّ لِي فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ فَكِلْتُهُ فَفَنِيَ۔

(ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی اور میرے دانوں کے برتن میں تھوڑی جو تھی میں اسی میں سے کھایا کرتی یہاں تک کہ بہت دن گزر گئے میں نے ان کو ماپا تو وہ ختم ہوگئے۔)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ يَزِيدَ بْنِ رُومَانَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا كَانَتْ تَقُولُ وَاللَّهِ يَا ابْنَ أُخْتِي إِنْ كُنَّا لَنَنْظُرُ إِلَى الْهِلَالِ ثُمَّ الْهِلَالِ ثُمَّ الْهِلَالِ ثَلَاثَةَ أَهِلَّةٍ فِي شَهْرَيْنِ وَمَا أُوقِدَ فِي أَبْيَاتِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَارٌ قَالَ قُلْتُ يَا خَالَةُ فَمَا كَانَ يُعَيِّشُكُمْ قَالَتْ الْأَسْوَدَانِ التَّمْرُ وَالْمَاءُ إِلَّا أَنَّهُ قَدْ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِيرَانٌ مِنْ الْأَنْصَارِ وَكَانَتْ لَهُمْ مَنَائِحُ فَكَانُوا يُرْسِلُونَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَلْبَانِهَا فَيَسْقِينَاهُ۔

(عروہ سے روایت ہے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی تھیں قسم خدا کی اے میرے بھانجے ہم ایک چاند دیکھتے دوسرا دیکھتے تیسرا دیکھتے دو مہینے میں تین چاند دیکھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں اس مدت تک آگ نہ جلتی میں نے کہا اے خالہ پھر آپ کیا کھاتی تھیں، انہوں نے کہا کھجور اور پانی، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ ہمسائے تھے ان کے دودھ والے جانور تھے وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دودھ بھیجتے تو آپ ہم کو وہ دودھ پلا دیتے۔)

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي أَبُو صَخْرٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُسَيْطٍ ح و حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي أَبُو صَخْرٍ عَنْ ابْنِ قُسَيْطٍ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ لَقَدْ مَاتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَزَيْتٍ فِي يَوْمٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ۔

(ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور آپ روٹی اور زیتون کے تیل سے ایک دن میں دو بار سیر نہیں ہوئے (یعنی صبح اور شام دونوں وقت سیر ہو کر نہیں کھایا۔)

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْمَكِّيُّ الْعَطَّارُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ ح و حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا دَاوُدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَطَّارُ حَدَّثَنِي مَنْصُورُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحَجَبِيُّ عَنْ أُمِّهِ صَفِيَّةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ شَبِعَ النَّاسُ مِنَ الْأَسْوَدَيْنِ التَّمْرِ وَالْمَاءِ۔

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورِ بْنِ صَفِيَّةَ عَنْ أُمِّهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ شَبِعْنَا مِنَ الْأَسْوَدَيْنِ الْمَاءِ وَالتَّمْرِ۔

(ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی اور ہم پانی اور کھجور سے سیر ہونے لگے تھے۔)

و حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا الْأَشْجَعِيُّ ح و حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ كِلَاهُمَا عَنْ سُفْيَانَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِمَا عَنْ سُفْيَانَ وَمَا شَبِعْنَا مِنَ الْأَسْوَدَيْنِ۔

(اور دوسری روایت میں ہے کہ ہم سیر نہیں ہوئے کھجور اور پانی سے۔)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَابْنُ أَبِي عُمَرَ قَالَا حَدَّثَنَا مَرْوَانُ يَعْنِيَانِ الْفَزَارِيَّ عَنْ يَزِيدَ وَهُوَ ابْنُ كَيْسَانَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّادٍ وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ مَا أَشْبَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلَهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ تِبَاعًا مِنْ خُبْزِ حِنْطَةٍ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا۔

(ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا قسم اس کی جس کے ہاتھ میں ابوہریرہ کی جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے گھر والوں کو تین دن پے در پے گیہوں کی روٹی سے سیر نہیں کرایا یہاں تک کہ آپ دُنیا سے تشریف لے گئے۔)

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ كَيْسَانَ حَدَّثَنِي أَبُو حَازِمٍ قَالَ رَأَيْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يُشِيرُ بِإِصْبَعِهِ مِرَارًا يَقُولُ وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ مَا شَبِعَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَهْلُهُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ تِبَاعًا مِنْ خُبْزِ حِنْطَةٍ حَتَّى فَارَقَ الدُّنْيَا۔

(ابوحازم سے روایت ہے میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا اور اپنی دونوں انگلیوں سے بار بار اشارہ کرتے اور کہتے قسم اس کی جس کے ہاتھ میں ابوہریرہ کی جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے گھر والے کبھی تین دن پے در پے گیہوں کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے یہاں تک کہ آپ دنیا سے تشریف لے گئے۔)

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَا حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ سِمَاكٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُا أَلَسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنْ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بِهِ بَطْنَهُ وَقُتَيْبَةُ لَمْ يَذْكُرْ بِهِ۔

(نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے تھے کیا تم نہیں کھاتے اور پیتے جو چاہتے ہو، (یعنی ایسا ہی ہے) میں نے تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے ان کو خراب کھجور بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتی تھی۔

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ ح و حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا الْمُلَائِيُّ حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ كِلَاهُمَا عَنْ سِمَاكٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ وَزَادَ فِي حَدِيثِ زُهَيْرٍ وَمَا تَرْضَوْنَ دُونَ أَلْوَانِ التَّمْرِ وَالزُّبْدِ۔

(دوسری روایت میں یہ اضافہ ہے کہ تم کھجور اور مکھن کے کھانوں کے بغیر راضی نہیں ہوتے۔)

و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَمِعْتُ النُّعْمَانَ يَخْطُبُ قَالَ ذَكَرَ عُمَرُ مَا أَصَابَ النَّاسُ مِنْ الدُّنْيَا فَقَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَظَلُّ الْيَوْمَ يَلْتَوِي مَا يَجِدُ دَقَلًا يَمْلَأُ بِهِ بَطْنَهُ۔

(سماک بن حرب سے روایت ہے کہ میں نے سنا نعمان رضی اللہ عنہ کو خطبہ پڑھتے ہوئے وہ کہتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دنیا کا ذکر کیا جو لوگوں نے حاصل کی پھر کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ سارا دن بھوک سے بے قرار رہتے آپ کو خراب کھجور تک نہ ملتی جس سے اپنا پیٹ بھریں۔)

ان احادیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا ذکر ہے کہ آپ نے اپنی آل کے لیے بقدر ضرورت رزق کی دعا کی جس سے اس امر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی آل کو سرمایہ پرستی اور مادہ

پرستی کے اثرات سے دُور رکھنا چاہتے ہیں گویا بنیادی ضروریاتِ زندگی کا اعتدال کے ساتھ پورا ہو جانا ہی زہد ہے، پھر آپ کی دعا کے حقیقت پر مبنی ہونے کا اندازہ آپ کی اپنی عملی زندگی سے بھی لگایا جا سکتا ہے چنانچہ مندرجہ بالا احادیث میں ہے:

۱۔ ایک دن میں دو بار روٹی اور زیتون کا تیل (بطور سالن) سیر ہو کر نہیں کھایا۔

۲۔ مسلسل تین دن گیہوں کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی۔

۳۔ مسلسل دو دن جو کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی۔

۴۔ مسلسل تین دن سے زیادہ گیہوں کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی۔

۵۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ مسلسل دو دن گیہوں کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی۔

۶۔ پورے ماہ گھر میں آگ نہیں جلتی، اس دوران یا تو کھجور اور پانی پر گزارہ کرتے یا انصاری پڑوسی اپنے جانوروں کا دودھ ہدیہ کر دیتے یا کہیں سے گوشت آ جاتا تو آگ جلتی۔

۷۔ اکثر یوں بھی ہوتا تھا کہ دو ماہ سے زیادہ عرصہ تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔

۸۔ بسا اوقات بھوک کی شدت کو کم کرنے کے لیے گھٹیا کھجور تک نہ ملتی۔

گویا ان حقائق و واقعات سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسان جس مقصد کو حاصل کرنے کی لگن رکھتا ہو، اس کے لیے اس کو پوری طرح مستعد اور تیار ہونا چاہیے اور اس کے بعد دعا کرنی چاہیے، محض درخواست کرنا اور عمل سے اس کی تائید کا نہ ہونا،

دعا کی بجائے محض ایک تمنا یا آرزو ہے جیسا کہ آج کل کی اکثر دعائیں، عمل کے عزم سے خالی ہوتی ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیوی زندگی میں تنگی اس لیے برداشت کی کہ آپ کی زندگی نے تمام انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ بننا تھا اور اس میں اسلامی حکومتوں کے صاحبان اختیار کے لیے نشانِ راہ ہے کہ اعلیٰ ترین مناصب پر فائز ہونے کے باوجود ان میں ہوس زر کے جذبات کی بجائے دنیا کی مادی آسائشوں سے ایک گونہ بے رغبتی ہونی چاہیے۔ اسی صورت میں وہ حقیقی معنوں میں ملک و ملت کی صحیح خدمت کر سکتے ہیں اور اگر اہل حق و عقد ہوس زر اور سرمایہ اندوزی کو مقصد بنائیں گے تو پھر پورے معاشرے میں بھیڑیا صفت افراد کا تسلط قائم ہو جائے گا اور پھر پسماندہ اور وسائل سے محروم طبقات ان کے سامنے دم نہیں مار سکیں گے اور پھر ان میں سے نسبتاً بہتر افراد اپنی مادی فلاح کے لیے بالائی طبقہ کی خوشامد و چاپلوسی کو اپنا مشن بنالیں گے کیونکہ اس طبقہ کی یہ پرانی کمزوری رہی ہے اور اس طرح جھوٹ، نفاق اور شرک کو معاشرے میں فروغ حاصل ہوگا۔

الحاصل معاشرے کی بہتری کے لیے ضروری ہے کہ اس کے قائدین کا معیار زندگی کسی صورت، عام انسان کے معیار زندگی سے بالاتر نہ ہو اور یہی سبب ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ جیسی اطاعت شعار جماعت کی موجودگی میں، ایک بڑے خطے کے حکمران ہوتے ہوئے نہایت زاہدانہ زندگی بسر کی حتیٰ کہ ایک عام فرد کی زندگی کا معیار آپ کے معیار زیست سے بلند تھا اور یہی خلفاء راشدین کا طرز عمل رہا اور اس نوعیت کی مثال اب تک دنیا میں آنے والے انقلابات کے رہبر بھی پیش نہ کر سکے بلکہ اس کے برعکس ان کی زندگیوں کا معیار عام معیار زندگی سے انتہائی بلند اور بڑی حد تک مسرفانہ رہا ہے، چنانچہ مولانا عبیداللہ سندھی (۱۹۴۴ء) کہتے ہیں کہ ہم نے (روس میں) اشتراکی کارکنوں کو کام کرتے دیکھا، ہم

عش عش کر کے رہ گئے لیکن جب ہم نے کمیونسٹ حکمرانوں کو دیکھا تو زار کی قیصریت ان کے گھروں میں ناچ رہی تھی، ان مشاہدوں اور تجربوں کے بعد ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی جماعت کی عزت سمجھ میں آتی ہے (۵۷)۔

مندرجہ بالا احادیث میں سے ایک حدیث کا یہ مضمون ہے کہ جس وقت آپ کا وصال ہوا اس وقت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس جو وغیرہ کے دانوں کا جو ظرف تھا اس میں صرف آدھا وسق جو تھی، یعنی خوراک تک کا کوئی بڑا ذخیرہ آپ چھوڑ کر نہیں گئے بلکہ صرف اتنا تھا کہ بمشکل ایک وقت کا گزارا ہو سکے لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتنی برکت رکھ دی گئی کہ وہ جو کئی دن تک استعمال ہوتے رہے حتیٰ کہ ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ نے ان کو ماپ لیا تو وہ جلد ختم ہو گئے، شارحین حدیث نے اس حدیث کے حوالے سے کہا ہے کہ کسی ظرف اور برتن میں موجود چیزیں کچھ اس طور پر ماپ کر نکال لینا باعث برکت ہے کہ باقی ذخیرہ مبہم رہے (۵۸)۔

فائدہ: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے سلسلے میں یہاں چار روایات مذکور ہیں اور ان کا مفہوم تقریباً یکساں ہے، پہلی دو سندوں کے الفاظ بھی ایک جیسے ہیں جب کہ تیسری سند میں اختلاف یوں ہے کہ امام مسلم کے تین اساتذہ ابوبکر بن ابی شیبہ، زہیر بن حرب اور ابوکریب کی روایت میں الفاظ ہیں "اللھم اجعل رزق الخ" جب کہ ان کے ایک اور شیخ عمرو الناقد کی روایت میں "اللھم رزق" ہے، چوتھی سند لانے سے مقصد یہ ہے کہ اعمش سے روایت کرنے والے وکیع کی روایت میں لفظ "قوتا" ہے جب کہ ان سے روایت کرنے والے ابواسامہ کی روایت میں "کفافا" کا لفظ ہے، کچھ شارحین کے ہاں یہ ہم معنی ہیں (۵۹) جب کہ دیگر شارحین نے اس فرق کی نشان دہی کی ہے کہ "قوت" سے مراد اتنی مقدار کہ انسان کی بنیادی ضرورت کی تکمیل ہو سکے جب کہ "کفاف" تنگدستی

اور خوش عیشی کے درمیانی حالت (مختصر فارغ البالی) کا نام ہے اور "کفاف" کا لفظ زیادہ مناسب ہے کہ انسان تنگدستی اور غیر ضروری خوشحالی دونوں کے نقصانات سے اسی درمیانی حالت میں محفوظ رہ سکتا ہے۔ (٦٠)

آپ کی معاشی زندگی سے متعلق یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو آخری حدیث منقول ہے، اس کی دو روایات بظاہر باہمی متعارض ہیں کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی سفیان ہیں، ان سے عبدالرحمٰن یہ روایت کرتے ہیں کہ جس وقت آپ کا وصال ہوا اس وقت ہم کھجور و پانی کی خوراک سیر ہو کر استعمال کرنے لگے جب کہ ان سے اشجعی اور ابواحمد کی روایت یہ ہے کہ اس وقت ہم کھجور و پانی سے سیر نہیں ہوئے تھے۔ اس سلسلے میں علامہ ابی کا کہنا یہ ہے کہ جس روایت میں سیر ہونے کی نفی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم مسلسل سیر نہیں ہوتے تھے، گویا اکثر ہو جاتے اور کبھی نہیں بھی کہ اہلِ بیت میں ایثار کا جذبہ بھی تو بہت تھا۔ (٦١)

یہاں کھجور اور پانی پر "اسودین" کا اطلاق کیا گیا ہے اس کو عربی لغت میں تغلیب کہا جاتا ہے کہ جب دو مختلف چیزوں کو تثنیہ کی صورت میں ذکر کرنا ہو تو ایک کو غالب قرار دے کر اس کا تثنیہ بنا دیا جاتا ہے چنانچہ "اسود" کا اطلاق صرف کھجور پر ہوتا ہے، اس کے ساتھ پانی کو ذکر کرنے کے لیے اس کو غالب قرار دے کر تثنیہ بنا دیا گیا جیسے شمس و قمر (سورج و چاند) کو اگر تثنیہ کے طور پر ذکر کیا جائے تو "قمرین" کہا جاتا ہے اور حضرات شیخین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو "عمرین" ذکر کیا جاتا ہے۔

حق داروں میں فرق مراتب اور صبر کی اہمیت

حَدَّثَنِي أَبُو الطَّاهِرِ أَحْمَدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ سَرْحٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي أَبُو هَانِئٍ سَمِعَ أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْحُبُلِيَّ يَقُولُ سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَلَسْنَا مِنْ فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ أَلَكَ امْرَأَةٌ تَأْوِي إِلَيْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ أَلَكَ مَسْكَنٌ تَسْكُنُهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَنْتَ مِنَ الْأَغْنِيَاءِ قَالَ فَإِنَّ لِي خَادِمًا قَالَ فَأَنْتَ مِنَ الْمُلُوكِ.

قَالَ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَجَاءَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَأَنَا عِنْدَهُ فَقَالُوا يَا أَبَا مُحَمَّدٍ إِنَّا وَاللَّهِ مَا نَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ لَا نَفَقَةٍ وَلَا دَابَّةٍ وَلَا مَتَاعٍ فَقَالَ لَهُمْ مَا شِئْتُمْ إِنْ شِئْتُمْ رَجَعْتُمْ إِلَيْنَا فَأَعْطَيْنَاكُمْ مَا يَسَّرَ اللَّهُ لَكُمْ وَإِنْ شِئْتُمْ ذَكَرْنَا أَمْرَكُمْ لِلسُّلْطَانِ وَإِنْ شِئْتُمْ صَبَرْتُمْ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ يَسْبِقُونَ الْأَغْنِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى الْجَنَّةِ بِأَرْبَعِينَ خَرِيفًا قَالُوا فَإِنَّا نَصْبِرُ لَا نَسْأَلُ شَيْئًا.

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کیا ہم ضرورت مند مہاجرین میں سے نہیں ہیں؟ عبداللہ نے کہا کیا تمہاری بیوی ہے جس کے پاس تم رہتے ہو؟ وہ بولا جی ہاں عبداللہ نے کہا تم امیروں میں سے ہو وہ بولا میرے پاس ایک خادم بھی ہے۔ عبداللہ نے کہا پھر تو تم بادشاہوں میں سے ہو۔ ابو عبدالرحمٰن کہتے ہیں تین آدمی عبداللہ بن عمرو بن عاص کے پاس آئے میں ان کے پاس موجود تھا وہ کہنے لگے اے ابا محمد! قسم خدا کی ہم کو کوئی چیز میسر نہیں نہ خرچ ہے نہ سواری نہ اسباب عبداللہ نے کہا تم جو چاہو گے میں کروں گا، اگر چاہتے ہو تو ہمارے پاس چلے آؤ ہم تو کو وہ دیں جو اللہ نے تمہاری تقدیر میں لکھا ہے اور اگر کہو تو

ہم تمہارا ذکر حاکم سے کریں اور اگر چاہو تو صبر کرو اس لیے کہ میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ فرماتے تھے فقراء مہاجرین مالداروں سے چالیس برس پہلے (جنت) میں جائیں گے وہ کہنے لگے ہم صبر کرتے ہیں اور کچھ نہیں مانگتے۔)

یہ حدیث دو واقعات پر مشتمل ہے اور ان دونوں کے راوی ابو عبدالرحمٰن حبلی ہیں جن کا نام عبداللہ بن یزید مصری ہے، پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص نے غالباً اپنے آپ کو مال فئی (وہ مال جو دشمن سے بغیر کسی جنگ وجدل کے حاصل ہوا) (۶۲) کا اس بنا پر مستحق قرار دیا کہ وہ فقراء مہاجرین میں سے ہے (۶۳) تو اس کے جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے جو اظہار خیال کیا اس سے نہ تو اس کے استحقاق کی نفی مقصود تھی اور نہ ہی اس کے ضرورت مند ہونے اور ہجرت کا انکار، مقصد یہ تھا کہ سائل کی ظاہری حیثیت اس امر کا تقاضہ کرتی ہے کہ اس مال فئی کے لیے اس سے زیادہ مستحق ان افراد کو ترجیح دی جائے جن کو مکان کی ضرورت ہے اور جن کا ابھی تک نکاح نہیں ہوا (۶۴) گویا مکان کی طرح شادی کی ضرورت کو بھی اسلام نے بنیادی ضروریات میں سے شمار کیا ہے۔ غرض یہ کہ اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ زیادہ مستحق افراد پر توجہ دے تاکہ معاشرتی عدم توازن کا سدباب کیا جاسکے۔

دوسرے واقعہ کے مطابق تین افراد نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آکر اپنی ضرورت کا ذکر کیا اور بتایا کہ ان کے پاس ضروری خرچ کے لیے رقم، بیچنے کے لیے سامان اور جہاد یا حج کرنے کے لیے سواری وغیرہ نہیں ہے اور مقصد یہ تھا کہ اس سلسلہ میں ان سے تعاون حاصل کریں، چنانچہ انہوں نے تعاون کی مختلف صورتیں ان کے سامنے رکھیں کہ وہ جو چاہے اختیار کرلیں یعنی یا تو وہ دوبارہ آجائیں تو ان کی ضروریات پوری کردی جائیں

گے اور اگر چاہیں تو حکومت سے تعاون حاصل کیا جا سکتا ہے اور اگر مناسب سمجھیں تو صبر سے کام لیں اور پھر اس آخری تجویز کی وجہ بھی بتا دی تا کہ اسے کہیں ٹال مٹول کا روایتی حربہ گمان نہ کر لیا جائے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ روز قیامت مہاجر فقراء مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں چلے جائیں گے، چنانچہ ان حضرات نے آخرت کے مقام کے حصول کی خاطر صبر کی راہ اختیار کی، یہاں یہ واضح رہے کہ اس دَور میں عدل و انصاف حکومتی نظام، معاشرے اور لوگوں کے مزاج کا ایک بنیادی حصہ تھا، اس لیئے اس ماحول میں صبر کی تلقین اپنا حقیقی مفہوم رکھتی تھی لیکن اگر معاشرہ فساد پر مبنی ہو، نظام ظلم کا تسلط ہو اور عمومی مزاج لالچ اور ہوس کا ہو، ایسے میں صبر کی ترغیب، ظلم سہنے کی دعوت کے مترادف گردانی جاتی ہے۔ جیسا کہ اہلِ جور و جفا مظلوم و محروم افراد کو صبر کی تلقین کرتے ہیں ان معنوں میں کہ وہ ان کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں اور انہیں کھل کھیلنے کا موقع دیتے رہیں، ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں صبر کی تلقین کی بجائے اقدام کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس حدیث سے اس دَور کے معاشرے کے اس مزاج کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں عاقبت اندیشی کس قدر تھی کہ پائیدار اور دائمی فائدے کی خاطر وقتی اور عارضی آسائش کو ترک کرنے کا عزم ظاہر کیا گیا اور یہی زہد کا مفہوم ہے کہ عارضی فوائد پر مستقل اور دائمی فائدے کو ترجیح دی جائے۔

فائدہ: بعض احادیث میں مہاجر فقراء کی بجائے مسلم فقراء کا ذکر ہے، نیز پانچ سو برس قبل جنت میں جانے کا بھی تذکرہ ہے۔ تو شارحین حدیث نے اس سلسلے میں تطبیق یوں بیان کی ہے کہ ہر دَور کے فقراء اپنے دَور کے اہل مال سے سبقت لے جائیں گے، مال کو نیک کاموں میں خرچ کرنے والوں سے چالیس برس

اور دیگر نیک اصحاب مال سے پانچ سو برس کا فاصلہ ہوگا جب کہ قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس پر محیط ہوگا۔

آثار قدیمہ کے بابت رویہ

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ جَمِيعًا عَنْ إِسْمَعِيلَ قَالَ ابْنُ أَيُّوبَ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ دِينَارٍ أَنَّهُ سَمِعَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِ الْحِجْرِ لَا تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلَاءِ الْقَوْمِ الْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ۔

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے وہ کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصحاب حجر (یعنی ثمود کے لوگ جو سب کے سب فرشتہ کی چنگھاڑ سے ہلاک ہوگئے) کی بابت فرمایا (غزوۂ تبوک میں اس قوم کے گھر ادھر ہی تھے) مت جاؤ ان عذاب والے لوگوں پر (یعنی ان کے گھروں میں) مگر روتے ہوئے (خدا کے خوف سے اور پناہ مانگتے ہوئے اس کے عذاب سے) اگر تم پر گریہ طاری نہ ہو تو وہاں مت جاؤ ایسا نہ ہو تم کو وہ عذاب آلگے جو اُن پر آیا تھا۔)

حَدَّثَنِي حَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي يُونُسُ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ وَهُوَ يَذْكُرُ الْحِجْرَ مَسَاكِنَ ثَمُودَ قَالَ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ إِنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ قَالَ مَرَرْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْحِجْرِ فَقَالَ لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدْخُلُوا مَسَاكِنَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ حَذَرًا أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَهُمْ ثُمَّ زَجَرَ فَأَسْرَعَ حَتَّى خَلَّفَهَا۔

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حجر پر سے گزرے آپ نے فرمایا مت جاؤ ظالموں کے گھروں میں مگر روتے ہوئے اور بچو کہیں تم کو بھی وہ عذاب نہ ہو جو اُن کو ہوا تھا پھر آپ نے اپنی سواری کو ڈانٹا اور تیز چلایا یہاں تک کہ حجر پیچھے رہ گیا۔)

حَدَّثَنِي الْحَكَمُ بْنُ مُوسَى أَبُو صَالِحٍ حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ إِسْحَقَ أَخْبَرَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ أَخْبَرَهُ أَنَّ النَّاسَ نَزَلُوا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْحِجْرِ أَرْضِ ثَمُودَ فَاسْتَقَوْا مِنْ آبَارِهَا وَعَجَنُوا بِهِ الْعَجِينَ فَأَمَرَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُهَرِيقُوا مَا اسْتَقَوْا وَيَعْلِفُوا الْإِبِلَ الْعَجِينَ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَسْتَقُوا مِنَ الْبِئْرِ الَّتِي كَانَتْ تَرِدُهَا النَّاقَةُ.

و حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ مُوسَى الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ مِثْلَهُ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ فَاسْتَقَوْا مِنْ بِئَارِهَا وَاعْتَجَنُوا بِهِ.

(عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اُترے حجر میں (یعنی ثمود کے ملک میں) انہوں نے وہاں کے کنوؤں کا پانی پینے کے لیے لیا اور اس پانی سے آٹا گوندھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس پانی کے بہا دینے کا حکم دیا جو پینے کے لیے لیا تھا اور آٹے کے بارے میں حکم دیا کہ اونٹوں کو کھلا دیں اور ارشاد فرمایا کہ پینے کا پانی اس کنویں سے لیں جس پر صالح علیہ السلام کی اونٹنی آتی تھی۔)

ان احادیث میں بتایا گیا ہے کہ جب اہلِ ایمان کا گزر اہلِ ظلم کے آثار قدیمہ سے ہو تو وہاں ان کو بلاضرورت زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہیے اور یہ کہ ٹھہرنے کے عرصہ میں اس اندیشے سے دل لرزاں اور آنکھیں اشک بار ہوں کہ

بد عملی کے نتیجے میں کہیں ہمارا انجام بھی ان تباہ شدہ اقوام کی مانند ہو، کیونکہ اس قسم کے آثار قدیمہ قدرت کے مکافات عمل کی منہ بولتی تصویر ہیں اور اس سے اس امر کا احساس بھی ذہن میں مستحضر رہنا چاہیے کہ اعمال بد اور افعال ظلم کی سزا آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی ملتی ہے جس کے یہ کھنڈرات جیتا جاگتا ثبوت ہیں لہٰذا ایسے مقام پر جا کر تقاریب کا اہتمام ان افراد کو ہی زیب دے سکتا ہے جو اس دنیا کی تاریخ سے ناواقف، اعمالِ بد کے انجام سے غافل اور قوانین قدرت سے نابلد ہوں جب کہ اہلِ فکر و بصیرت کے لیے ظلم پیشہ افراد کے کھنڈرات پر جانے کا مقصد صرف حصول عبرت ہونا چاہیے چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی غزوۂ تبوک کے دوران قوم ثمود کی اجاڑ بستیوں (جو کہ حجر میں واقع تھیں جو شام و حجاز کے درمیان علاقہ ہے) پر سے گزرتے وقت یہ حکم دیا تھا کہ ان بستیوں میں سوائے عبرت اور بدکاروں کے انجام کے استحضار کی کیفیت کے داخل نہ ہوا جائے اور خود آپ نے بھی اونٹنی کو یہاں تیزی کے ساتھ گزارا اور یہی حکم ہے مکہ مکرمہ کے قریب وادی محسر سے گزرنے کا کہ وہاں خانہ کعبہ پر حملہ آور اصحاب فیل ہلاک کیے گئے تھے (٦٥)۔

علاوہ ازیں قوم ثمود کی بستیوں کے قریب پڑاؤ کے وقت جب صحابہ کرام نے کنووں سے پینے کے لیے پانی نکالا اور اس سے آٹا وغیرہ گوندھا تو فوراً پانی بہانے اور آٹا اونٹوں کو کھلانے کا حکم دیا کہ اس قسم کے مقامات پر عذاب خداوندی کے اثرات ہر چیز پر موجود ہوتے ہیں اور اس کنوں سے پانی لینے کا بھی حکم فرمایا جس سے حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت کے لیے ظاہر کردہ اونٹنی جسے قرآن حکیم میں ناقتہ اللہ کہا گیا ہے پانی پیتی تھی (٦٦)۔

درحقیقت قوم ثمود کو سرمایہ پرستی نے اندھا کر دیا تھا اور مرض تکبر اس میں سرایت کر دیا گیا چنانچہ اس نے ایک مرد خدا کی صدائے پیہم اور انداز بلیغ پر کوئی

توجہ نہ دی بلکہ حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والے مستضعفین کے سامنے انتہائی ڈھٹائی سے ان کا اور پیغام خداوندی کا انکار کیا، یہی نہیں بلکہ اونٹنی کے کونچے کاٹ ڈالے اسے ہلاک کر کے عذاب خداوندی کے مستحق ہو گئے (٦٧)۔

حدیث سے اہل کفر و ظلم کے آثار سے پرہیز اور اہل خیر اور نیک لوگوں کے آثار سے تبرک کے حصول کے ثبوت کے علاوہ اس امر کا ذکر ملتا ہے کہ ایسی خوراک جس سے انسانوں کو منع کر دیا گیا ہو جانوروں کو کھلائی جاسکتی ہے۔ (٦٨)

فائدہ: پہلی روایت شعیب بن اسحاق کی ہے جب کہ عبیداللہ کی دوسری روایت انس بن عیاض کے حوالے سے ہے اور اس میں "آبارھا" کی جگہ "بئارھا" ہے۔ "عجنوا" کی جگہ "اعتجنوا" ہے لیکن دونوں روایتوں کا مفہوم یکساں ہے بئار اور آبار دونوں بئر کی جمع ہیں اول الذکر جمع قلت ہے جس میں تین سے دس کے درمیان افراد ہوتے ہیں اور موخر الذکر جمع کثرت ہے جس میں دس سے زیادہ افراد ہوتے ہیں۔ (٦٩)

بیواؤں، ضرورت مندوں اور یتیموں سے حسن سلوک

حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ بْنِ قَعْنَبٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَبِي الْغَيْثِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَأَحْسِبُهُ قَالَ وَكَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیواؤں اور ضرورت مندوں کے لیے کمائے اور محنت کرے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مانند ہے اور میں سمجھتا ہوں یہ

بھی فرمایا اور اس شخص کی مانند ہے جو نماز کے لیے کھڑا رہے اور نہ تھکے اور اس روزہ دار کی مانند ہے جو روزہ ناغہ نہ کرے۔)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ عِيسَى حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ ثَوْرِ بْنِ زَيْدٍ الدِّيلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا الْغَيْثِ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَافِلُ الْيَتِيمِ لَهُ أَوْ لِغَيْرِهِ أَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ وَأَشَارَ مَالِكٌ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں اور یتیم کی خبر گیری کرنے والا خواہ اس کا عزیز ہو یا غیر ہو جنت میں اس طرح سے ساتھ ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں اور (امام) مالک نے اشارہ کیا کلمہ شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی سے۔)

اسلام، دین رہبانیت نہیں کہ انسان کو محض ایسی عبادات کا مکلّف بنا دیا گیا ہو جن کا تعلق اس کی ذات سے ہے بلکہ اس میں لوگوں کے حقوق کی ادائیگی بھی اتنی ہی اہم ہے، اسی بناء پر اس دین کی حامل امت کو "امت وسط" قرار دیا گیا ہے (۷۰) کہ یہ معتدل و متوازن رویہ اور عمل کی مالک ہے۔

امت محمدیہ نے ایک طرف رہبانیت کو انسانیت پر ظلم قرار دیا اور دوسری طرف احکام خدا اور رسول پر مر مٹنے کا جذبہ پیدا کیا اور قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کے مالک بن کر دنیا کو یہ دکھلا دیا کہ دیانت و سیاست یا دین و دنیا میں بیر نہیں، مذہب صرف مسجدوں یا خانقاہوں کے گوشوں کے لیے نہیں آیا بلکہ اس کی حکمرانی بازاروں اور دفتروں پر بھی ہے اور وزارتوں اور امارتوں پر بھی۔ اس نے بادشاہی میں فقیری اور فقیری میں بادشاہی سکھلائی۔ (۷۱)

ان احادیث میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ فارغ البال اور زیادہ کمانے والے افراد کا فرض ہے کہ وہ اپنے ضرورت مند بھائیوں کی خبر گیری کریں لیکن یہ واضح

رہے کہ کسی ضرورت مند کو چند لقمے دے کر اس کا پیٹ بھر دینا خبر گیری نہیں ہے بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آدمی کو لکڑیاں بیچ کر خود کمانا سکھایا، یہ ہے در حقیقت خبر گیری کرنا، آج کے معاشرے میں جس نامناسب طریقے سے ضرورت مندوں کو زکوۃ وغیرہ دی جاتی ہے یہ ان کو تباہ کرنے کا بدترین ذریعہ ہے، ضرورت ہے کہ اہل حاجت و ضرورت کی خبر گیری کے لیے جا بجا منظم ادارے ہوں جہاں ان کی بنیادی ضروریات کی تکمیل اس طرح ہو کہ ان کی انسانیت کو صدمہ نہ پہنچے اور جو لوگ کام کر سکتے ہوں ان کے لیے کام بہم پہنچایا جائے، اسی ذیل میں ضرورت ہو تو ان کے لیے آلات کار بہم پہنچائے جائیں۔ (۷۲)

اسلام کے نظام معیشت میں بلاشبہ زیادہ کام والے افراد موجود ہوں گے کیونکہ سعی و کسب کے بغیر کوئی مومن زندہ ہی نہیں رہ سکتا لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا، اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہوگا اور اس لیے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی اتنی ہی زیادہ جماعت (Society) بحیثیت جماعت کے خوشحال ہوتی جائے گی، قابل اور مستند افراد زیادہ سے زیادہ کمائیں گے لیکن صرف اپنے ہی لیے نہیں کمائیں گے بلکہ تمام افراد قوم کے لیے کمائیں گے، یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لیے محتاجی و مفلسی کا پیام ہو جائے جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے (۷۳)۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرد انسانی کی ساخت کچھ ایسی رکھی ہے کہ وہ معاشرے ہی میں ترقی کر سکتا ہے کیونکہ انفرادی زندگی میں اسے اپنی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لانے کا موقع نہیں ملتا اور وہ جامد ہو کر رہ جاتا ہے، چونکہ فرد کی جمود اور تعطل کی حالت کا اثر معاشرے پر از خود پڑتا ہے اس لیے معاشرے کو ان مضر اثرات سے بچانے کے لیے افراد کی خبر گیری ضروری ہے اور جو معاشرہ اور اجتماع ضرورت مند افراد کی خبر گیری ہی نہیں کرتا تو اس کا نام معاشرہ اور اجتماع رکھنا ہی ظلم ہے (۷۴) کیونکہ معاشرہ اور اجتماع تو افراد کی خبر گیری کے لیے وجود میں آتا ہے۔

پہلی حدیث میں بیواؤں اور ضرورت مندوں کی ضروریات کی تکمیل کو راہ خدا میں جہاد، مسلسل نماز، اور لگاتار روزے رکھنے کے عمل کے برابر قرار دے کر انسانی حقوق کی خبر گیری کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے، جب کہ دوسری حدیث میں یتیم کی کفالت، اس کی مادی و روحانی ضروریات کا اہتمام اور اس کی تعلیم و تربیت سے عہدہ برآ ہونے والے کے لیے یہ عظیم خوش خبری ہے کہ وہ جنت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قدر قریب ہوگا جیسے انگوٹھے کے ساتھ والی دو انگلیاں ہیں، اس تشبیہ سے مقصود اس شخص کے مقام قربت کو واضح کرنا ہے نیز اس کے اور آپ کے درجات میں فرق بتانا ہے جیسے دو انگلیوں میں فرق ہے۔

فائدہ: اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں انگلیوں سے اشارہ امام مالک نے کیا لیکن ابن بکیر کی موطا میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے از خود اشارہ کیا۔ (۷۵)

مساجد کی تعمیر

حَدَّثَنِي هَارُونُ بْنُ سَعِيدٍ الْأَيْلِيُّ وَأَحْمَدُ بْنُ عِيسَى قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ أَخْبَرَنِي عَمْرٌو وَهُوَ ابْنُ الْحَارِثِ أَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ أَنَّ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللَّهِ الْخَوْلَانِيَّ يَذْكُرُ أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِيهِ حِينَ بَنَى مَسْجِدَ الرَّسُولِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّكُمْ قَدْ أَكْثَرْتُمْ وَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَنَى مَسْجِدًا قَالَ بُكَيْرٌ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللَّهِ بَنَى اللَّهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ وَفِي رِوَايَةِ هَارُونَ بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ.

(عبید اللہ خولانی سے روایت ہے جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی کو (نئے سرے سے) بنایا تو لوگوں نے اس سلسلے میں کافی باتیں کیں

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا تم نے بہت باتیں بنائیں حالانکہ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ فرماتے تھے جو شخص مسجد خالص خدائے تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے بنائے اللہ اس کے لیے ویسا ہی ایک گھر جنت میں بنادے گا۔)

حَدَّثَنَا زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى كِلَاهُمَا عَنِ الضَّحَّاكِ قَالَ ابْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ مَحْمُودِ بْنِ لَبِيدٍ أَنَّ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ أَرَادَ بِنَاءَ الْمَسْجِدِ فَكَرِهَ النَّاسُ ذَلِكَ وَأَحَبُّوا أَنْ يَدَعَهُ عَلَى هَيْئَتِهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ بَنَى مَسْجِدًا لِلَّهِ بَنَى اللَّهُ لَهُ فِي الْجَنَّةِ مِثْلَهُ۔

و حَدَّثَنَاه إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الْحَنْظَلِيُّ حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَفِيُّ وَعَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ الصَّبَّاحِ كِلَاهُمَا عَنْ عَبْدِ الْحَمِيدِ بْنِ جَعْفَرٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّ فِي حَدِيثِهِمَا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔

(محمود بن لبید سے روایت ہے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی (از سر نو) بنانے کا ارادہ کیا لوگوں نے اس کو برا جانا اور یہ پسند کیا کہ وہ مسجد اسی شکل میں رہے (جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں تھی) تو انہوں (حضرت عثمان) نے کہا میں نے سنا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ فرماتے تھے جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے ایک مسجد بنائے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنائے گا۔)

خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دور میں تمام معاشرے میں خوشحالی آگئی اور ہر شخص نے اپنی پسند کے مطابق اپنی رہائش گاہ تعمیر کرلی نیز آبادی میں اضافہ ہو گیا لیکن اس وقت تک مسجد نبوی اسی پرانی حالت پر قائم تھی تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اس کے معیار تعمیر کو بہتر اور

اس کی حدود میں توسیع کی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد اس میں سما سکیں، اس پر کچھ افراد کو اشکال ہوا اور انہوں نے اسے ناگوار جانا کہ پرانی ہیئت و شکل کو تبدیل کیا جائے، اس پر حضرت عثمانؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے مسجد بنانے کی فضیلت بیان کی گویا مسجد کی توسیع اور اس کی از سر نو تعمیر کا ثواب ایک نئی مسجد بنانے کی مانند ہے کیونکہ دونوں کے مقاصد یکساں ہیں۔(۷۶) مسجد در حقیقت ایک اسلامی معاشرے کا بنیادی مرکز ہے جیسے وہ ایک عبادت گاہ ہے، اسی طرح وہ مسلمانوں کے معاشرتی مسائل حل کرنے کی رہنمائی فراہم کرنے والا ادارہ بھی ہے، چنانچہ دورِ نبوی اور خلافت راشدہ میں مسلمانوں کے اجتماعی فیصلے مسجد میں ہی ہوا کرتے تھے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مسجد نبوی میں ہی دیگر افراد کے برعکس ایک سے زائد چادر لینے پر احتساب کیا گیا تھا، مسجد میں ہی مال غنیمت جمع کیا جاتا اور وہیں سے تقسیم کیا جاتا رہا ہے۔ دورِ نبوی میں بیرونی وفود بھی مسجد میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفت وشنید کیا کرتے تھے، اسی طرح مسجد نبوی کے ساتھ ملحقہ جگہ جنگی تربیت کے لیے استعمال کی جاتی تھی، علاوہ ازیں ملحقہ حصے میں مسافر بھی ٹھہرائے جاتے تھے نیز اسی جگہ زخمیوں کے علاج کے لیے خیمہ نصب کرنے کی بھی روایت ہے، مسجد میں صفہ نامی چبوترہ ایک تعلیم گاہ کا کردار ادا کرتا تھا حتیٰ کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں مسجد نبوی کے متصل ادبی سرگرمیوں کے لیے بھی ایک جگہ مختص کی گئی تھی (۷۷) غرض یہ کہ حقیقی معنوں میں مسجد کا کردار ہمہ جہتی اور روحانی و معاشرتی دونوں حیثیتوں کا حامل ہے، ظاہر ہے کہ اس قدر اہم مرکز کی تعمیر و توسیع بلاشبہ نہایت درجہ فضیلت کی حامل ہے۔

قرون اولیٰ کے اندر مسجد معاشرے کی اجتماعیت کا مظہر ہوتی تھی اسی لیے شہر میں نماز جمعہ گنے چنے مقامات پر ہوتی اور یوں اجتماعیت قائم رہتی لیکن اب مساجد کی تعمیر بالعموم اجتماعیت کے قیام کی بجائے فرقہ واریت، ذاتی وقار اور دینداری کی

نمود و نمائش کا مظہر بن گئی ہے، اسی بناء پر معمولی اور بے بنیاد اختلاف تک کو ذاتی انا کا مسئلہ بنا کر غیر ضروری طور پر نئی مسجدیں کھڑی کر دی جاتی ہیں اور یوں اس روش سے مسجد کا کردار مجروح ہو کر رہ گیا ہے اور پھر ان مساجد کا کردار بہت محدود کر دیا گیا ہے اور اس کو معاشرتی رہنمائی کے منصب سے علیحدہ کر دیا گیا، آج معاشرے میں عدلیہ و انتظامیہ کے دفاتر اور تعلیمی اداروں کو جو اہمیت حاصل ہے، مسجد کی اہمیت اس حوالے سے کہیں کم تر بنا دی گئی ہے، واضح رہے کہ اسلامی معاشرہ کا قیام اس وقت تک مشکوک ہے جب تک کہ مسجد کو اس کا حقیقی مقام نہیں دیا جاتا کیونکہ دنیا کی تمام مساجد درحقیقت قرون اولیٰ والی مسجد نبوی کی شاخیں ہیں اس لیے مسجد نبوی کا ہی کردار ان مساجد سے ظاہر ہونا چاہیے۔

مسجد کے روحانی و معاشرتی مرکز ہونے کے ناطے ہی خلفاء راشدین اور بعد کے خلفاء بھی نمازوں کی امامت اور جمعہ کے خطبات دیتے رہے گویا مسجد کو امامت کبریٰ (خلافت و سیاسی قیادت) اور امامت صغری (نمازوں کی پیشوائی) دونوں کا مرکز ہونا چاہیے۔

فائدہ: امام مسلمؒ نے حسب معمول روایت بیان کرنے میں اپنی احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے چنانچہ پہلی حدیث میں ان کے دو اساتذہ ہارون بن سعید ایلی اور احمد بن عیسی ہیں، ہارون کی روایت میں "بیتا" کا لفظ ہے جب کہ احمد کی روایت میں "مثلہ" کا لفظ ہے۔

اگلی دونوں حدیثوں میں بھی اسی نوعیت کا لفظی فرق ہے، سند میں ایک راوی عبدالحمید بن جعفر ہیں ان کے تین شاگرد ہیں ضحاک بن مخلد، ابو بکر حنفی اور عبدالملک بن صباح، ضحاک "مثلہ" کے لفظ کے راوی ہیں جب کہ بقیہ دو حضرات "بیتا" کا لفظ روایت کرتے ہیں۔

ضرورت مندوں کے لیے آمدنی کا تہائی حصہ

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَزُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَاللَّفْظُ لِأَبِي بَكْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ عُمَيْرٍ اللَّيْثِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِنْ الْأَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتًا فِي سَحَابَةٍ اسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحَّى ذَلِكَ السَّحَابُ فَأَفْرَغَ مَاءَهُ فِي حَرَّةٍ فَإِذَا شَرْجَةٌ مِنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدْ اسْتَوْعَبَتْ ذَلِكَ الْمَاءَ كُلَّهُ فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِي حَدِيقَتِهِ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهِ فَقَالَ لَهُ يَا عَبْدَ اللهِ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ لِلِاسْمِ الَّذِي سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهُ يَا عَبْدَ اللهِ لِمَ تَسْأَلُنِي عَنْ اسْمِي فَقَالَ إِنِّي سَمِعْتُ صَوْتًا فِي السَّحَابِ الَّذِي هَذَا مَاؤُهُ يَقُولُ اسْقِ حَدِيقَةَ فُلَانٍ لِاسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيهَا قَالَ أَمَّا إِذْ قُلْتَ هَذَا فَإِنِّي أَنْظُرُ إِلَى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهِ وَآكُلُ أَنَا وَعِيَالِي ثُلُثًا وَأَرُدُّ فِيهَا ثُلُثَهُ.

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایک بار ایک شخص میدان میں (جارہا) تھا اس نے بادل میں ایک آواز سنی فلاں کے باغ کو پانی سے سینچ دے۔ (اس آواز کے بعد) بادل ایک طرف چلا اور ایک پتھریلی زمین میں اس نے پانی برسایا تو دفعتاً وہاں کی نالیوں میں سے ایک نالی بالکل لبالب ہوگئی، سو وہ شخص برستے پانی کے پیچھے پیچھے گیا اچانک ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے باغ میں کھڑا پانی کو اپنے پھاوڑے سے ادھر اُدھر کر رہا تھا سو اس نے باغ والے شخص سے کہا اے خدا کے بندے تمہارا کیا نام ہے، اس نے کہا فلاں نام ہے، وہی نام جو بادل میں سنا تھا پھر باغ والے نے اس شخص سے کہا اے خدا کے بندے تم نے میرا نام کیوں پوچھا وہ بولا میں نے بادل میں ایک آواز سنی جس

کا یہ پانی ہے کوئی تمہارا نام لے کر کہتا ہے فلانے کے باغ کو سینچ دے سو تم اس باغ میں کیا کرتے ہو، باغ والے نے کہا جب کہ تم نے یہ کہہ دیا تو (سنو) میں البتہ دیکھتا ہوں اس (پیداوار) کو جو اس باغ سے پیدا ہوتی ہے سو ایک تہائی اس کا راہِ خدا میں خرچ کرتا ہوں اور ایک تہائی میں اور میرے بال بچے کھاتے ہیں اور ایک تہائی اس باغ (کی اصلاح اور بیج کی کاشت) میں لوٹا دیتا ہوں (خرچ کرتا ہوں)۔

و حَدَّثَنَاه أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ الضَّبِّيُّ أَخْبَرَنَا أَبُو دَاوُدَ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي سَلَمَةَ حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ كَيْسَانَ بِهَذَا الْإِسْنَادِ غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ وَأَجْعَلُ ثُلُثَهُ فِي الْمَسَاكِينِ وَالسَّائِلِينَ وَابْنِ السَّبِيلِ۔

دوسری روایت میں راہِ خدا میں خرچ کرنے کی تفصیل یہ بتائی کہ ایک تہائی میں مسکینوں اور سائلوں اور مسافروں میں صرف کرتا ہوں۔

اس حدیث میں ایک واقعہ کے ذریعہ اس امر کی نشان دہی کی گئی ہے کہ انسان جو کچھ کمائے، اس کے اندر ان لوگوں کا بھی خیال رکھے جو کسی سبب سے معاشی تنگ دستی کا شکار ہوگئے ہیں جیسا کہ حدیث میں مذکور شخص کا طرزِ عمل تھا کہ اس نے پیداوار کا ایک حصہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات، دوسرا حصہ معاشی طور پر پسماندہ افراد کی حاجات اور تیسرا حصہ اپنے باغ کی دیکھ بھال اور متعلقہ امور کے لیے مخصوص کیا ہوا تھا، اس کے برعکس جو لوگ سرمایہ پرستی کو اپنی زندگی کا مقصد اولین بنالیتے ہیں اور جنہیں اپنے جیسے افراد کے علاوہ باقی انسانیت حقیر نظر آتی ہے، درحقیقت وہ خود مرتبہ انسانیت سے گر جاتے ہیں چنانچہ ان کا ہی مقولہ ہے "کیا ہم انہیں کھلائیں جن کو خدا چاہتا تو خود کھلا دیتا۔" (۷۸) اور اس قسم کے موقف کا اظہار دورِ حاضر کے زر پرستوں کی جانب سے وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے اور ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں کہ اپنے اس ناجائز عمل کو خدا کی مشیت اور تقدیر کے حوالے سے درست قرار دینے کی بھی جسارت کرتے ہیں جو اس عقیدے کا انتہائی یک طرفہ اور

غلط استعمال ہے، اور اگر اس موقف کو درست مان لیا جائے تو پھر کفر و شرک، ظلم و استحصال، جبر و استبداد معاشی بدحالی، اخلاقی بے راہروی اور دیگر تمام نظریاتی و سماجی برائیاں بھی سند جواز حاصل کرلیں گی اور یوں ان کے خلاف جدوجہد کا جواز بھی باقی نہیں رہے گا ایسے میں انبیاء علیہم السلام کے غزوات اور صحابہ کرام کے جہاد کی کیا توجیہ ہوگی؟

اس حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی شخص کا اپنے مال کے بارے میں صحیح نقطہ نظر رکھنا اور راست عمل اختیار کرنا ہی زہد اور صحت مند علامت ہے، کیونکہ جس انسان کے پاس مال اس کی ضروریات اور حاجات سے زیادہ ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے انسانی بدن کے خلیے میں خون آتا ہے، اگر وہ انسان مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق لے کر دیگر افراد انسانی کو بھی اس میں سے ان کی ضرورت کے مطابق پہنچا دیتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہوگی جیسے تندرست خلیہ خون کو دوسرے خلیات کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے، اگر وہ انسان مال جمع کر کے اپنے ہی پاس رکھے تو وہ ایسا ہے جیسے خلیے میں خون جمع ہو جائے چنانچہ اس صورت میں کہا جائے گا کہ خلیہ بیمار ہے یعنی اسے سوجن ہو گئی ہے ایسے ہی فرد انسانی کو غیر صالح، ناتندرست اور اخلاقی بیمار قرار دیا جائے گا، اور اس سے بازپرس کی جائے گی، الغرض معاشرے میں فرد کی صالحیت اس پر موقوف ہے کہ اس نے دیگر پسماندہ افراد کی ضروریات پورا کرنے میں کس قدر تعاون کیا۔

انسان کو اس سلسلے میں حدیث نبوی کے مطابق اس بات کا بھی خاص خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی شخص اس کے ہمسائے میں بھوکا نہ سوئے جب اس اصول پر عمل درآمد شروع ہوگا تو اسے اپنی دنیا ہی بدلی ہوئی نظر آئے گی اور پھر وہ اس معاشرے میں چین سے نہ رہ سکے گا جس میں انسانیت پر ظلم ہو رہا ہو (۷۹) حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنی اور خانگی ضرورت کے لیے جائیداد کا حصول نیک عمل ہے اگر

مقصود اپنے دین اور اہل عیال کی حفاظت ہو جب کہ تعیش کے لیے اور بلاضرورت جائیداد بنانے سے رد کا گیا ہے (۸۰)۔

فائدہ: اس حدیث کی دو سندیں یہاں مذکور ہیں، عبدالعزیز بن ابی سلمہ کے دو شاگرد ہیں۔یزید بن ہارون اور ابوداؤد۔یزید کی روایت میں جملہ ہے کہ "میں ایک تہائی حصہ صدقہ کرتا ہوں" اور ابوداؤد کی روایت میں اسی جملہ کی تشریح ہے کہ "میں ایک تہائی حاجت مندوں، ضرورت مندوں اور مسافروں پر خرچ کرتا ہوں" گویا صدقہ کا مفہوم دوسری روایت سے واضح ہو گیا۔

نمائشی نیک عمل کی حقیقت

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ عَنْ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ يَعْقُوبَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنْ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں بہ نسبت اور شریکوں کے شرک سے بالکل بے پرواہ ہوں جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے ساتھ میرے علاوہ کسی کو شریک کیا تو میں اس کو اور اس کے شرک کے کام کو (ان کے حال پر) چھوڑ دیتا ہوں (یعنی جو عبادت اور عمل دکھانے اور شہرت کے واسطے ہو وہ خدا کے نزدیک مقبول نہیں مردود ہے، خدا اسی عبادت اور عمل کو قبول کرتا ہے جو خدا ہی کے واسطے خالص ہو دوسرے کا اس میں کچھ حصہ نہ ہو۔)

حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ إِسْمَعِيلَ بْنِ سُمَيْعٍ عَنْ مُسْلِمٍ الْبَطِينِ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ

رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰہُ بِہٖ وَمَنْ رَاءَی رَاءَی اللّٰہُ بِہٖ۔

(عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص لوگوں کو سنانے کے لیے نیک کام کرے گا اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس کی ذلت لوگوں کو سنا دے گا اور جو شخص ریا کرے گا اللہ تعالیٰ بھی اس کو دکھلاوے گا (یعنی صرف ثواب دکھلاوے گا پر ملے گا کچھ نہیں تاکہ صرف حسرت ہی حسرت ہو)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدُبًا الْعَلَقِيَّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُسَمِّعْ يُسَمِّعِ اللّٰہُ بِهِ وَمَنْ يُرَائِي يُرَائِي اللّٰہُ بِهِ۔

و حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا الْمُلَائِيُّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بِهَذَا الْإِسْنَادِ وَزَادَ وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا غَيْرَهُ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَمْرٍو الْأَشْعَثِيُّ أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ عَنْ الْوَلِيدِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ سَعِيدٌ أَظُنُّهُ قَالَ ابْنُ الْحَارِثِ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ سَلَمَةَ بْنَ كُهَيْلٍ قَالَ سَمِعْتُ جُنْدُبًا وَلَمْ أَسْمَعْ أَحَدًا يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَيْرَهُ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ بِمِثْلِ حَدِيثِ الثَّوْرِيِّ و حَدَّثَنَاه ابْنُ أَبِي عُمَرَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ حَدَّثَنَا الصَّدُوقُ الْأَمِينُ الْوَلِيدُ بْنُ حَرْبٍ بِهَذَا الْإِسْنَادِ۔

(جندب علقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کو اپنی نیکی سنانا چاہے گا اللہ تعالیٰ اس کی برائی یا اس کا عذاب لوگوں کو سنائے گا اور جو شخص دکھانے کے لیے عبادت کرے گا خدا

بھی اس کو دکھادے گا (یعنی قیامت کے دن اس کے عیب لوگوں کو دکھادے گا یا صرف ثواب لوگوں کو دکھلاوے گا اور ملے گا کچھ نہیں۔)

ان احادیث میں ریاء یعنی ان اعمال کی حقیقت بتلائی گئی ہے جو انسان دوسروں کو دکھانے کے لیے کرتا ہے کہ ریاء شرک صغیر اور شرک خفی ہے (۸۱) کیونکہ انسان جب کوئی نیک عمل رضائے خداوندی اور خدمت انسانیت کے جذبے سے سرشار ہو کر کرتا ہے تو وہ درحقیقت دین کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے لیکن جب اس میں انسان کی ذاتی اغراض شامل ہو جائیں تو وہ اس امر کی علامت ہے کہ اس نے موقع پرستی کی راہ اختیار کر لی ہے۔ گو وہ بظاہر نیک عمل کر رہا ہے لیکن اس کے پس منظر میں اس کی نیت یہ ہے کہ وہ اس عمل کے ذریعے معاشرے میں اپنا اچھا تاثر قائم کرے اور یوں اپنی نیک نامی کے ذریعے ذاتی مفادات حاصل کرے۔ درحقیقت اس قسم کے افراد کا دین کے بارے میں رویہ سطحی اور رسمی ہوتا ہے اور جب معاشرے پر حقیقی دین کی بجائے رسمی مذہبیت کی گرفت ہوتی ہے تو موقع پرست، منافع خور اور سماج دشمن عناصر رسمی مذہبیت کی آڑ میں معاشرتی استحصال میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے کہ ان کی ظاہری ہیئت و کردار کیوجہ سے کوئی بھی انہیں مذہب سے بے بہرہ کہہ نہیں پاتا حالانکہ حقیقت میں وہ دین کے حقیقی تقاضوں کے منکر اور فطری قوانین اور قرآنی ضابطوں کے باغی ہوتے ہیں۔

ریاء اور خود نمائی کا منفی جذبہ درحقیقت انفرادی سوچ سے جنم لیتا ہے کہ انسان اپنی ہی ذات کو محور بنا لیتا ہے اور اجتماعی کاموں کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھنے لگتا ہے اور ہر قدم پر وہ اپنے ذاتی مفادات کو ہی مقدم رکھتا ہے اس لیے ایسا شخص کبھی بھی معاشرے کے اجتماعی مفاد کے لیے کسی قسم کی قربانی دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

قرآن حکیم میں بھی ایسے نمازیوں کے لیے ہلاکت کی وعید ہے جو اپنی نمازوں سے بجائے رضائے خداوندی کے حصول کے معاشرے میں اپنی نیک نامی کے خواہاں ہیں اور دوسری طرف انسانی حقوق کے سلسلے میں اتنے بخیل واقع ہوئے ہیں کہ عام استعمال کی اشیاء تک دوسروں کو دینا گوارا نہیں کرتے۔ (۸۲)

ان احادیث میں ریاکاری میں مبتلا افراد اور معاشرے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلان بیزاری ہے اور یہ کہ جو شخص نیک عمل میں بجائے رضائے الٰہی جس ذاتی نوعیت کے مادی فائدے کو ملحوظ رکھے گا، گویا اس کو خدا کے ساتھ شریک کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو اس کی اغراض فاسدہ کے حوالے کر دے گا، یعنی نیک نامی اور حصول شہرت کے لیے جو کوئی کام کرے گا تو اس کا نتیجہ از روئے حدیث یہ ہوگا کہ اس کا وہ مقصد پورا کر دیا جائے گا لیکن انجام کار جب عوام الناس میں شعور آئے گا تو وہ ان کی نظروں میں بے وقعت ہو کر رہ جائے گا اور یوں حصول شہرت کی خاطر کیا جانے والے عمل بالآخر اس کی بدنامی اور رسوائی کا باعث بنے گا اور اگر ایسا کوئی شخص اس دنیا سے نیک نام چلا بھی گیا تو قیامت کے روز تو بہر کیف تمام ریاکاروں کی برسرِ عام رسوائی ہوگی اور یہ واضح کر دیا جائے گا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو رہبروں کے لباس میں رہزن یا بھیڑوں کی کھال میں بھیڑیئے تھے۔

ریاکاری درحقیقت اس معاشرے کا ایک روگ ہے جو منافقت کا شکار اور جس میں قول و عمل کا تضاد ایک معمول سمجھا جاتا ہے، جہاں معاشرے کے بالادست طبقات اپنی حرص و ہوس کی خاطر عوام الناس کو مختلف سبز باغ دکھلاتے رہتے ہیں اور یوں وہ اصلاح کے نام پر فساد کے عمل کو آگے بڑھاتے رہتے ہیں اور اپنی خوش بیانیوں کا اچھا تاثر قائم کر کے "کار دیگر" میں مصروف رہتے ہیں۔ ریاکاری چونکہ جاہ پرستی کے منفی جذبہ سے پیدا ہوتی ہے اس لیے زہد کے مفہوم میں سرمایہ پرستی کی طرح جاہ پرستی سے احتراز شامل ہے۔

فائدہ: امام مسلمؒ نے سعید بن عمرو دمشقی کی روایت میں اولاً سفیان ثوریؒ کے حوالے سے ان کے استاذ ولید کے والد کا نام حرب ذکر کیا اور پھر سعید کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ان کے خیال میں سفیان نے ولید کے والد کا نام حارث بتایا ہے، ممکن ہے کہ نام حرب ہو اور کاشتکاری کے پیشے کے سبب حارث کہلاتے ہوں۔ (۸۳)

بے لگام گفتگو کی مضرت

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا بَكْرٌ يَعْنِي ابْنَ مُضَرَ عَنْ ابْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ يَنْزِلُ بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ.

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا فرمایا بندہ ایسی بات کہہ بیٹھتا ہے جس کی وجہ سے آگ میں اتنا اتر جاتا ہے جیسے مشرق سے مغرب تک (جیسے کسی مسلمان کی شکایت یا حاکم وقت کے سامنے مخبری یا تہمت یا گالی، خدا، رسول خدا، قرآن یا شریعت کے بارے میں کلمہ کفر)

وحَدَّثَنَاه مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّيُّ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ الدَّرَاوَرْدِيُّ عَنْ يَزِيدَ بْنِ الْهَادِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَنْ عِيسَى بْنِ طَلْحَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مَا يَتَبَيَّنُ مَا فِيهَا يَهْوِي بِهَا فِي النَّارِ أَبْعَدَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ.

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بندہ ایک بات کہتا ہے اور اس کے مضمرات نہیں جانتا اس کے سبب سے آگ میں گرے گا اتنی دور تک جیسے مشرق سے مغرب۔)

یہاں حدیث میں زبان کے بے جا استعمال کے برے نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے کہ در حقیقت لوگوں میں باہمی اختلاف رائے اس وقت فساد و انتشار میں تبدیل ہو جاتا ہے جب اس اختلاف کا اظہار غیر محتاط طریقے سے کیا جائے، زبان کو بے ہنگم انداز میں استعمال میں لایا جائے اور زبان دراز افراد دوسروں کی عزت سے کھیلنا اپنا حق تصور کریں، ایسی صورت میں زبان درازی، دست درازی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور یوں کشت و خون تک نوبت جا پہنچتی ہے ۔ بسا اوقات اسی زبان سے اپنی بڑائی اور دوسروں کی توہین کر کے زبان کو غلط طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

چونکہ زبان انسان کے اندرونی جذبات کی آئینہ دار ہوتی ہے اس لیے اگر انسان کے اندر کفر و شرک، ظلم و ناانصافی اور استحصال و سرمایہ پرستی کے جذبات ہوں گے تو زبان سے انہی جذبات کا اظہار ہو گا اور اگر خدا پرستی، انسان دوستی اور اخوت و مساوات کے جذبات ہوں گے تو زبان ان کے اظہار کا ذریعہ بنے گی۔

اس بناء پر حدیث میں بتایا گیا ہے کہ انسان جب بے سوچے سمجھے زبان استعمال کرتا ہے تو بسا اوقات اس کی بات کی سنگینی اس قدر ہوتی ہے کہ وہ جہنم کی گہرائی میں اترتا ہی چلا جاتا ہے، کیونکہ ایسی بات یا تو خدا ناشناسی کے اظہار پر مبنی ہو گی یا کسی انسان کے دل دکھانے کا باعث بنی ہو گی اور ظاہر ہے کہ اس نوعیت کی گفتگو کے نتائج یہی کچھ ہونے چاہئیں۔

یہاں مذکور دونوں احادیث کا مفہوم ایک ہے تاہم دوسری حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ خواہ انسان کو اپنی گفتگو کی سنگینی کا علم نہ بھی ہو، نتائج اس کے بھی مختلف نہیں ہوتے چنانچہ خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ایک عربی شعر کا مفہوم ہے کہ تیر کے زخم تو مندمل ہو جاتے ہیں لیکن زبان کے زخم کبھی مندمل نہیں ہوتے (۸۴) اور اسی بناء پر ایک حقیقی صاحب ایمان کی یہ علامت ہے کہ اس

کی زبان اور ہاتھ کی ایذاء سے دیگر انسان محفوظ ہوتے ہیں (۸۵) اور یہ اس کے زہد کا ایک تقاضہ ہے۔

بے عمل واعظ کا عبرت انگیز انجام

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى وَأَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَإِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَأَبُو كُرَيْبٍ وَاللَّفْظُ لِأَبِي كُرَيْبٍ قَالَ يَحْيَى وَإِسْحَقُ أَخْبَرَنَا و قَالَ الْآخَرُونَ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ عَنْ شَقِيقٍ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قِيلَ لَهُ أَلَا تَدْخُلُ عَلَى عُثْمَانَ فَتُكَلِّمَهُ فَقَالَ أَتَرَوْنَ أَنِّي لَا أُكَلِّمُهُ إِلَّا أُسْمِعُكُمْ وَاللَّهِ لَقَدْ كَلَّمْتُهُ فِيمَا بَيْنِي وَبَيْنَهُ مَا دُونَ أَنْ أَفْتَتِحَ أَمْرًا لَا أُحِبُّ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ فَتَحَهُ وَلَا أَقُولُ لِأَحَدٍ يَكُونُ عَلَيَّ أَمِيرًا إِنَّهُ خَيْرُ النَّاسِ بَعْدَ مَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يُؤْتَى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُ بَطْنِهِ فَيَدُورُ بِهَا كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِالرَّحَى فَيَجْتَمِعُ إِلَيْهِ أَهْلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ يَا فُلَانُ مَا لَكَ أَلَمْ تَكُنْ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ فَيَقُولُ بَلَى قَدْ كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا آتِيهِ وَأَنْهَى عَنِ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ۔

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ أَبِي وَائِلٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ فَقَالَ رَجُلٌ مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَدْخُلَ عَلَى عُثْمَانَ فَتُكَلِّمَهُ فِيمَا يَصْنَعُ وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمِثْلِهِ۔

(اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے ان سے کہا گیا کیا آپ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نہیں جاتے اور ان سے گفتگو نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا کیا تم سمجھتے ہو کہ میں ان سے گفتگو نہیں کرتا، میں تم کو سناؤں (بتاؤں) قسم خدا کی میں ان سے وہ باتیں کر چکا ہوں جو مجھ کو اپنے اور ان کے بیچ میں کرنا

تمھیں البتہ میں نے یہ نہیں چاہا کہ ایسی بات (سر عام بیان بازی) کا آغاز کروں جس کی ابتدائی کرنے والا پہلے میں ہی ہوں اور میں کسی کو جو مجھ پر حاکم ہو یہ نہیں کہتا کہ وہ سب لوگوں میں بہتر ہے میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ فرماتے تھے قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا پھر وہ جہنم میں ڈالا جائے گا اس کے پیٹ کی آنتیں باہر نکل آئیں گی وہ ان کو لیے ہوئے گدھے کی طرح جو چکی پیستا ہے چکر لگائے گا اور جہنم والے اس کے پاس اکٹھا ہوں گے اس سے پوچھیں گے اے فلاں کیا تم اچھی بات کا حکم نہیں کیا کرتے تھے اور بری بات سے منع کیا کرتے تھے وہ کہے گا کیوں نہیں میں دوسروں کو اچھی بات کا حکم کرتا اور خود نہ کرتا اور دوسروں کو بری بات سے منع کرتا اور خود اس سے باز نہ رہتا۔)

اس حدیث میں اس امر کی قباحت و شناعت کو بیان کیا گیا ہے کہ کوئی نیک عمل کی تبلیغ کرے لیکن خود اس عمل سے پہلو تہی کرے یا کسی غلط کام سے پرہیز کی تلقین کرے اور خود اس میں مبتلا ہو، چنانچہ فاسد معاشرے میں عوام الناس کے دلوں کو گرمانے والے مذہبی واعظین، ان کے جذبات سے کھیلنے والے سیاسی زعماء اور ان پر مسلط حکمراں اسی مرض میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہ عوام الناس کو تو اخوت و بھائی چارہ کی تلقین اور سادگی و قناعت کا درس دیتے نہیں تھکتے لیکن ان کا اپنا عملی کردار لوگوں میں باہمی تفرقہ، غرور و تکبر، نمود و نمائش، ہوس اقتدار اور حرص مال کا آئینہ دار ہوتا ہے، اس نوعیت کے افراد کے بارے میں شعوری بیداری کی ضرورت ہے جو اپنے دوغلے پن سے نسل نو کو اسلام سے دُور کرنے کا باعث بن رہے ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ اس دنیا میں ترقی بھی ان افراد و اقوام کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے کہے کو عمل کی شکل دیتے ہیں اور جو محض گفتار کے غازی ہوتے ہیں وہ کبھی بھی کردار کے میدان میں فتح یاب نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ صفت زہد سے آراستہ ہونے کی بجائے جاہ پرستی کے مرض میں گرفتار ہوتے ہیں۔ اسی بناء پر قرآن حکیم

میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اس امر کو بڑی ناراضگی کا سبب قرار دیا گیا ہے کہ وہ بات کہی جائے جو عمل سے عاری ہو (۸۶) اور یہی ناراضگی کا عملی اظہار ہے کہ روزِ قیامت قول و فعل کا یہ تضاد رکھنے والے اس ہول ناک عذاب سے دوچار ہوں گے کہ ان کی آنتیں پیٹ سے نکل پڑیں گی اور چکی پیسنے والے گدھے کی مانند ان آنتوں کو لیے چکر لگاتے ہوں گے پھر ان لوگوں کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوں گے جن پر وہ اپنی علمیت اور پارسائی کا تاثر قائم کیے ہوئے تھے۔ العیاذ باللہ یقیناً یہ سزا نہایت سنگین ہے لیکن ان کے جرم کی نوعیت بھی تو اسی قدر سنگین ہے۔

علاوہ ازیں حدیث میں اس امر کی بھی تعلیم ہے کہ اگر وقت کے عادل حکمراں سے کوئی ناگوار امر سرزد ہو جائے تو اسے تنہائی میں آگاہ کر دیا جائے تاکہ وہ اس کی اصلاح کر سکے بجائے اس کے کہ اس کے خلاف شورش یا اشتعال کو ہوا دی جائے تاہم کسی حکمران کے غلط طرز عمل سے معاشرے پر مضر اثرات مرتب ہو رہے ہیں تو پھر ان کی بابت علانیہ اظہار ضروری ہے تاکہ ان کا سدباب کیا جا سکے (۸۷)

اپنی بدکرداری پر اترانے کی ممانعت

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ عَبْدٌ حَدَّثَنِي وَقَالَ الْآخَرَانِ حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ قَالَ قَالَ سَالِمٌ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ كُلُّ أُمَّتِي مُعَافَاةٌ إِلَّا الْمُجَاهِرِينَ وَإِنَّ مِنَ الْإِجْهَارِ أَنْ يَعْمَلَ الْعَبْدُ بِاللَّيْلِ عَمَلًا ثُمَّ يُصْبِحُ قَدْ سَتَرَهُ رَبُّهُ فَيَقُولُ يَا فُلَانُ قَدْ عَمِلْتُ الْبَارِحَةَ كَذَا وَكَذَا وَقَدْ بَاتَ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ فَيَبِيتُ يَسْتُرُهُ رَبُّهُ وَيُصْبِحُ يَكْشِفُ سِتْرَ اللَّهِ عَنْهُ قَالَ زُهَيْرٌ وَإِنَّ مِنَ الْهِجَارِ۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے میری تمام امت کے گناہ بخشے جائیں گے سوائے ان لوگوں کے جو اپنے گناہوں کو فاش کرتے ہیں اور فاش کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی رات کو ایک گناہ کا کام کرے پھر صبح ہو اور پروردگار نے اس کا گناہ پوشیدہ رکھا ہو وہ دوسرے سے کہے اے فلاں میں نے گزشتہ رات کو ایسا ایسا کام کیا حالانکہ رات کو تو پروردگار نے اس کو چھپایا اور رات بھر چھپاتا رہا صبح کو اس نے پردہ کھول دیا۔)

اس حدیث میں اس امر کی ممانعت بیان کی گئی ہے کہ انسان سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور وہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہا ہو تو اس کا اظہار لوگوں کے سامنے کرے۔

انسان سے گناہ کا سرزد ہونا تو کوئی غیر معمولی امر نہیں اس لیے گناہ کیسا ہی ہو قابل معافی ہے لیکن گناہ کی تشہیر یقیناً سنگین جرم ہے کیونکہ اس طرح وہ معاشرتی جرم بن جاتا ہے کہ دیگر کئی افراد بھی اشاعتِ فاحشہ کی وجہ سے جرائم کی طرف راغب ہو جاتے ہیں اور یوں معاشرے میں انتشار و انارکی پھیل جاتی ہے اس لیے منظم اور پاکیزہ معاشرے میں جرائم کی تشہیر کی قطعاً اجازت نہیں دی جاتی چنانچہ قرآن حکیم میں معاشرے میں بدی کی تشہیر کے خواہاں افراد کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب کی وعید ہے۔(۸۸)

شریعت نے جن جرائم کی سزائیں بیان کی ہیں، انہیں مخصوص تعداد میں گواہوں کی گواہی کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے گویا محض جرم کے سرزد ہونے پر دنیوی سزا کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس کے کئی افراد کی موجودگی میں ہونے کو ناقابلِ معافی قرار دیا گیا ہے کہ اس طرح بدنیت افراد جرائم کے ارتکاب میں دلیر ہو سکتے ہیں جب کہ معاشرے کو حتی الامکان جرائم سے پاک رکھنا ضروری ہے تاکہ نیکی کو فروغ

حاصل ہو سکے اور بدی کا قلع قمع ہو سکے۔ زہد کا تو یہ تقاضا تھا کہ ارتکاب گناہ پر آدمی شرمندہ ہوں، چہ جائیکہ وہ اپنے گناہ کا ڈھنڈورہ پیٹنے لگے۔

الغرض برائی کے ارتکاب سے اس کا چرچا اور تشہیر بڑا جرم ہے اس لیے اس کے مرتکب افراد کے جرم کو ناقابلِ معافی قرار دیا گیا ہے کیونکہ ایسے افراد گناہ کے ارتکاب کو قابلِ فخر سمجھتے ہیں اور یوں ان کا عمل شیطان کے انکار سجدہ کے عمل کے مشابہ قرار پاتا ہے جس نے اپنے جرم پر حیل و حجت سے کام لیا اور اسے منطقی قرار دیا۔ لہٰذا کسی بھی جرم اور گناہ کے ارتکاب پر توبہ فوراً ہونی چاہیے۔ توبہ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اس ناجائز عمل سے فوراً علیحدہ ہو جائے اور اس پر اسے دلی ندامت ہو نیز آئندہ کے لیے مکمل عزم ہو کہ وہ گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ حقوق العباد میں حق کی ادائیگی اور بصورت دیگر صاحب معاملہ سے رضاکارانہ طور پر معاف کرانا بھی ضروری ہے (۸۹)

چھینک کی بابت معاشرتی ادب

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا حَفْصٌ وَهُوَ ابْنُ غِيَاثٍ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ عَطَسَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ فَشَمَّتَ أَحَدَهُمَا وَلَمْ يُشَمِّتْ الْآخَرَ فَقَالَ الَّذِي لَمْ يُشَمِّتْهُ عَطَسَ فُلَانٌ فَشَمَّتَّهُ وَعَطَسْتُ أَنَا فَلَمْ تُشَمِّتْنِي قَالَ إِنَّ هَذَا حَمِدَ اللَّهَ وَإِنَّكَ لَمْ تَحْمَدْ اللَّهَ.

و حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ حَدَّثَنَا أَبُو خَالِدٍ يَعْنِي الْأَحْمَرَ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَنَسٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

(حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کو چھینک آئی آپ نے ایک کا جواب دیا اور

دوسرے کا جواب نہ دیا جس کو جواب نہ دیا وہ کہنے لگا کہ اس کو چھینک آئی اور آپ نے جواب دیا لیکن مجھے چھینک آئی اور آپ نے جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا اس نے (یعنی جس کا جواب دیا) اللہ کا شکر ادا کیا (یعنی الحمد للہ کہا) اور تو نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا نہ کیا۔)

حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نُمَيْرٍ وَاللَّفْظُ لِزُهَيْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى أَبِي مُوسَى وَهُوَ فِي بَيْتِ بِنْتِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ فَعَطَسْتُ فَلَمْ يُشَمِّتْنِي وَعَطَسَتْ فَشَمَّتَهَا فَرَجَعْتُ إِلَى أُمِّي فَأَخْبَرْتُهَا فَلَمَّا جَاءَهَا قَالَتْ عَطَسَ عِنْدَكَ ابْنِي فَلَمْ تُشَمِّتْهُ وَعَطَسَتْ فَشَمَّتَّهَا فَقَالَ إِنَّ ابْنَكِ عَطَسَ فَلَمْ يَحْمَدِ اللَّهَ فَلَمْ أُشَمِّتْهُ وَعَطَسَتْ فَحَمِدَتِ اللَّهَ فَشَمَّتُّهَا سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا عَطَسَ أَحَدُكُمْ فَحَمِدَ اللَّهَ فَشَمِّتُوهُ فَإِنْ لَمْ يَحْمَدِ اللَّهَ فَلَا تُشَمِّتُوهُ

(حضرت ابو بردہ سے روایت ہے میں (اپنے والد) ابو موسیٰ (اشعری) رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ فضل بن عباس کی بیٹی (یعنی اپنی بیوی) کے گھر میں تھے مجھے چھینک آئی تو ابو موسیٰ نے جواب نہ دیا (یعنی یرحمک اللہ نہ کہا) پھر انہیں (بنت فضل) کو چھینک آئی تو ان کو جواب دیا میں اپنی والدہ کے پاس گیا اور ان سے یہ حال بیان کیا جب ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو میری والدہ نے ان سے کہا میرے بیٹے کو چھینک آئی تو تم نے جواب نہ دیا اور اس عورت (سوکن) کو چھینک آئی تو تم نے جواب دیا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ تمہارے بیٹے کو چھینک آئی تو اس نے الحمد للہ نہیں کہا اس لیے میں نے جواب نہیں دیا اور وہ عورت چھینکی تو اس نے الحمد للہ کہا تو میں نے جواب دیا۔ میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ فرماتے تھے جب تم میں سے کوئی چھینکے پھر اللہ کا شکر

کرے (یعنی الحمدللہ کہے) تو اس کو جواب دو جو الحمد للہ نہ کہے اس کو جواب مت دو۔)

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ نُمَيْرٍ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ عَنْ إِيَاسِ بْنِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ عَنْ أَبِيهِ ح وَحَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَاللَّفْظُ لَهُ حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ بْنُ عَمَّارٍ حَدَّثَنِي إِيَاسُ بْنُ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَطَسَ رَجُلٌ عِنْدَهُ فَقَالَ لَهُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ ثُمَّ عَطَسَ أُخْرَى فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلُ مَزْكُومٌ۔

(حضرت سلمہ بن اکع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے چھینک آئی آپ نے فرمایا یرحمک اللہ پھر اسے چھینک آئی تو آپ نے فرمایا اس کو زکام ہو گیا۔)

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اگر معاشرہ تشکیل دیا جائے تو وہ اس قدر مربوط ہوتا ہے کہ اس میں کسی انفرادی اور عام معاملہ کے بارے میں بھی کوئی خلا محسوس نہیں ہوتا۔ چنانچہ چھینک آنے پر خدا کا شکر بجا لانے کا حکم اور پھر اس کے جواب میں دوسرے شخص کی طرف سے اس کے لیے دعائے رحمت پھر جوابی دعاء اس سلسلے سے متعلق ہیں، واضح رہے دماغ میں جمع شدہ بخارات کا اخراج چھینک کے ذریعہ ہوتا ہے اور اس سے طبیعت میں نشاط اور مستعدی آجاتی ہے (۹۰) اور یہ صحت کی علامت ہے اس لیے اس پر بجا طور پر الحمد للہ کہنا چاہیے، گویہ ایک شخص کا ذاتی معاملہ ہے لیکن اسلام نے اس میں بھی اجتماعیت کا پہلو ملحوظ رکھا ہے کہ کلمہ حمد سن کر فوراً اس کے لیے دعاء رحمت کی جائے (یرحمك الله) پھر جواب میں پہلا شخص اس کے لیے صحیح رہنمائی اور حالات کی درستگی کی دعا کرے (یهدیکم الله و یصلح بالکم) ظاہر ہے کہ جو شخص دعاء رحمت و درستگی حالات کرے گا وہ اس امر کا پابند

ہو جائے گا کہ اس کی دعا محض ایک جملہ کی ادائیگی نہ ہو بلکہ اس کا عمل بھی دوسروں کے لیے باعث رحمت ہو اور ان کے حالات میں بہتری کا پیش خیمہ ہو اور یوں ایک انفرادی فعل سے افراد انسانی باہمی طور پر ایک دوسرے کے لیے رحمت اور حالات کی درستی کی نوید سنا کر معاشرے کو امن و سکون اور رحمت کا گہوارہ بنانے کا عزم ظاہر کریں گے۔

گویا وہ امور جو طبعی طور پر انسان پر وارد ہوتے رہتے ہیں، ان میں بھی اس امر کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ ان کے ذریعے بھی معاشرے کی اجتماعی قدروں باہمی ہمدردی اور رحمت کی یاددہانی ہوتی رہے اور جب انسانی ذہنوں میں اجتماعی رویہ کی ضرورت ہمہ وقت مستحضر رہے گی تو عمل پر بھی اس کے نتائج مرتب ہوں گے اور یہ اسلام ہی کی منفرد خصوصیت ہے کہ اس نے خالصتاً ذاتی اعمال کو بھی اجتماعیت سے مربوط کر دیا ہے۔

یہاں یہ بھی پیش نظر رہے کہ چھینک کے سلسلے میں باہمی دعاؤں اور نویدوں کا تبادلہ بھی اس وقت تک ہے جب تک ان میں روح باقی ہے، چنانچہ تین مرتبہ چھینک آنے تک تو اس کی تلقین ہے لیکن اس کے بعد چھینک آنا مرض زکام کو ظاہر کرتا ہے اور یوں اس کی نوعیت تبدیل ہو جاتی ہے پھر اس کے لیے صحت کی دعاء ہی ہونی چاہیے۔(۹۱)

فائدہ: اہل ظاہر، ابن مریم مالکی ابن زید اور ابن مزین کے ہاں چھینک کا جواب دینا ہر اس شخص پر لازم ہے جو اس کو سنے جب کہ امام مالکؒ سے مشہور روایت ہے کہ سلام کے جواب دینے کی مانند اس کا جواب دینا بھی فرض کفایہ ہے جب کہ دیگر علماء کے ہاں مسنون ہے۔(۹۲)

فضل بن عباس کی صاحبزادی کا نام ام کلثوم تھا، وہ پہلے حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نکاح میں تھیں، ان سے علیحدگی کے بعد حضرت ابو موسیٰ

اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقد میں آئیں اور ان کے صاحبزادے موسیٰ پیدا ہوئے، حضرت ابو موسیٰ کے انتقال کے بعد حضرت عمران بن طلحہ سے ان کا نکاح ہوا، ان کی قبر کوفہ میں ہے۔ (۹۳)

جمائی کی بابت معاشرتی ادب

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ السَّعْدِيُّ قَالُوا حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ يَعْنُونَ ابْنَ جَعْفَرٍ عَنِ الْعَلَاءِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ التَّثَاؤُبُ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ.

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جمائی شیطان کی طرف سے ہے (کیونکہ وہ سستی اور ثقل کی نشانی ہے) پھر جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اس کو روکے جہاں تک ہو سکے (یعنی منہ پر ہاتھ رکھے)۔

حَدَّثَنِي أَبُو غَسَّانَ الْمِسْمَعِيُّ مَالِكُ بْنُ عَبْدِ الْوَاحِدِ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سُهَيْلُ بْنُ أَبِي صَالِحٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنًا لِأَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ يُحَدِّثُ أَبِي عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلَى فِيهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ.

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ.

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب کوئی تم میں سے جمائی لے تو اپنا ہاتھ اپنے منہ

پر کھے اس لیے کہ شیطان (مکھی یا کیڑا وغیرہ بعض اوقات) اندر گھس جاتا ہے (یا شیطان خود داخل ہو جاتا ہے)۔

حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ سُهَيْلِ بْنِ أَبِي صَالِحٍ عَنِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ۔

و حَدَّثَنَاه عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنْ سُهَيْلٍ عَنْ أَبِيهِ وَعَنِ ابْنِ أَبِي سَعِيدٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِ حَدِيثِ بِشْرٍ وَعَبْدِ الْعَزِيزِ۔

(جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے تو اس کو روکے جہاں تک ہو سکے اس لیے کہ شیطان اندر داخل ہو جاتا ہے (دل میں وسوسہ ڈالنے کے لیے اور نماز بھلانے کے لیے۔)

ان احادیث میں جمائی لینے کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے اور اس بارے میں یہ تلقین کی گئی ہے کہ اس کو حتی الامکان روکنے کی کوشش کی جائے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو منہ پر ہاتھ رکھ لیا جائے، جمائی آنا چونکہ غفلت اور سستی کی علامت ہے (۹۴) اس بناء پر اس کو شیطان کی جانب منسوب کیا گیا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ انسان فکری غفلت اور عملی سستی و کاہلی میں مبتلا رہے یعنی خدا پرستی اور بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لیے نہ تو کچھ سوچے اور نہ ہی اس بابت کوئی قدم اٹھائے لہٰذا معاشرے میں جو نظام اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں غفلت اور تساہل کے رویہ کو فروغ دے وہ یقیناً شیطان کی جانب منسوب کیے جانے کے لائق ہے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی معاشی

تنگدستی سے پناہ طلب کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے آپ سے اور گردوپیش سے غفلت اور خودفراموشی کا شکار ہو جاتا ہے۔ (۹۵)

گویا معاشرے میں بہتری کے آثار اسی وقت نمایاں ہوں گے جب وہاں فکری بیداری اور عملی مستعدی و سرگرمی موجود ہو جب کہ غفلت و سستی کی روش زوال و انحطاط کی علامت نیز انسانی عظمت کے منافی ہے اور شیطان بھی ابتدائے آفرینش سے انسانی عظمت کا منکر اور انسانی جدوجہد کا مخالف ہے، اس لیے جو امر بھی غفلت اور کسلمندی کا باعث بنے گا وہ شیطانی نسبت کا حامل ہوگا، اس بناء پر جمائی جب آجائے تو کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اس کا اظہار نہ ہو لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو پھر منہ پر ہاتھ رکھ لیا جائے تاکہ اس وقت انسانی چہرے کے ناگوار تاثر کو چھپایا جا سکے کیونکہ شیطان کو اس طرح کے منظر سے بھی خوشی ہوتی ہے اور پھر وہ اس کا بار بار اعادہ بھی کرا سکتا ہے تاکہ انسانی شخصیت کا غیر سنجیدہ تاثر نمایاں کیا جا سکے (۹۶) اور پھر اس امر کا اندیشہ بھی موجود ہے کہ ہاتھ نہ رکھنے سے منہ میں مکھی، مچھر اور دیگر جراثیم داخل ہو کر انسانی صحت کے لیے ضرر رسانی کا باعث بنیں۔

الغرض اس حدیث نے ایک معاشرتی ادب کی تعلیم دی ہے کہ اگر جمائی کے وقت منہ پر ہاتھ ہوگا تو دیگر افراد کو بھی اذیت محسوس نہ ہوگی اور یوں اجتماعیت کا ایک تقاضہ بھی ملحوظ نظر رہے گا۔

انسان کی حقیقت

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَعَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ قَالَ عَبْدٌ أَخْبَرَنَا وَقَالَ ابْنُ رَافِعٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُورٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَارِجٍ مِنْ نَارٍ وَخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ۔

(ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فرشتے نور سے بنائے گئے ہیں اور جن آگ کی لَو سے اور حضرت آدم علیہ السلام اس سے جو تمہارے لیے (قرآن میں) بیان کیا گیا یعنی مٹی سے۔)

اس حدیث میں تین انواع مخلوق کے مادہ ِ تخلیق کا ذکر ہے کہ فرشتوں کو نور سے، جنات کو دھوئیں کے ساتھ مخلوط آگ سے اور انسان کو مٹی سے پیدا کیا گیا اور ان کی خصوصیات میں ان کے مادہ تخلیق کا اہم عمل دخل ہے چنانچہ فرشتے چونکہ نورانی مخلوق ہیں اس لیے ان کے ہاں شر کا کوئی تصور تک نہیں ہے، وہ ہر وقت عبادت اور اللہ تعالیٰ کے احکام بجالانے میں مصروف ہوتے ہیں اور وہ اپنی سرشت کی وجہ سے خدا کی نافرمانی کا خیال تک اپنے دل میں نہیں لاتے جب کہ جنات کی سرشت میں اشتعال و اضطراب ہے اور ان میں بالعموم سرکشی پائی جاتی ہے گو اِن میں نیک بھی ہیں۔

انسان کی تخلیق مٹی سے کی گئی ہے اور روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسان کا ارادہ ظاہر کیا تو جبرئیل امین کو حکم دیا کہ وہ زمین کی تمام انواع سے ایک ایک مشت مٹی لے آئیں چنانچہ وہ لے آئے اور اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور مٹی کا اختلاف ان کی اولاد میں ظاہر ہوا کہ کوئی سیاہ فام ہے تو کوئی سفید فام، اسی طرح کسی کے مزاج میں سختی اور کسی کی طبیعت میں نرمی۔ (۹۷)

مٹی سے انسان کی تخلیق اس امر کا تقاضہ کرتی ہے کہ انسان کے اندر تواضع اور انکساری کی صفت ہونی چاہیے اور کبھی بھی اس کے دماغ میں نخوت و تکبر کے خیالات پیدا نہیں ہونے چاہئیں اور بالخصوص انسان کا اپنے ہم جنسوں سے برتاؤ برابری اور حسن سلوک کا ہونا چاہیے، اسی بابت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجتہ الوداع میں یوں ارشاد فرمایا کہ تم سب اولادِ آدم ہو اور آدم مٹی سے تھے

یعنی جب تمام انسانوں کے والد ایک ہیں اور ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی ہے تو پھر انسانوں میں امتیازات اور طبقات پر مبنی سوچ کا رونما ہونا انتہائی غیر صحت مندانہ اور غیر منصفانہ رویہ ہے، جس کی وجہ سے دنیا میں ظلم و جور، غلامی اور استحصال کے معاشرے وجود میں آتے ہیں جن میں فرعون، قارون، ابوجہل اور ابولہب جیسے حکمران اور سردار انسانیت کش طرز عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں، لہٰذا معاشرے میں پیدا ہونے والی سماجی برائیوں اور بدی کے نظاموں کا خاتمہ، انسانی فطرت کی حقیقی شکل و صورت نمایاں کرنے کے لیے ضروری ہے تاکہ صفات انسانیت کا صحیح معنوں میں اظہار ہو سکے اور اس طرح خالق حقیقی سے تعلق قائم کرنے کے لیے راہ ہموار ہو سکے۔

مسخ کا عذاب

حَدَّثَنَا إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى الْعَنَزِيُّ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الرُّزِّيُّ جَمِيعًا عَنِ الثَّقَفِيِّ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُقِدَتْ أُمَّةٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا يُدْرَى مَا فَعَلَتْ وَلَا أُرَاهَا إِلَّا الْفَأْرَ أَلَا تَرَوْنَهَا إِذَا وُضِعَ لَهَا أَلْبَانُ الْإِبِلِ لَمْ تَشْرَبْهُ وَإِذَا وُضِعَ لَهَا أَلْبَانُ الشَّاءِ شَرِبَتْهُ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ فَحَدَّثْتُ هٰذَا الْحَدِيثَ كَعْبًا فَقَالَ آنْتَ سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ ذٰلِكَ مِرَارًا قُلْتُ أَأَقْرَأُ التَّوْرَاةَ وَقَالَ إِسْحٰقُ فِي رِوَايَتِهِ لَا نَدْرِي مَا فَعَلَتْ۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کا ایک گروہ گم ہو گیا تھا معلوم نہیں وہ کہاں گیا میں سمجھتا ہوں وہ گروہ چوہے ہیں (مسخ ہو گئے) کیا تم نہیں دیکھتے جب چوہوں

کے لیے اونٹنی کا دودھ رکھو تو وہ نہیں پیتے اور جب بکری کا دودھ رکھو تو پی لیتے ہیں (گویا یہ قرینہ ہے کہ چوہے بنی اسرائیل کے وہ لوگ ہوں جو مسخ ہوئے تھے اگرچہ وہ زندہ نہ رہے ہوں اس لیے کہ بنی اسرائیل کی شریعت میں اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ حرام تھا) ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ حدیث میں نے کعب (احبار) سے بیان کی انہوں نے کہا تم نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا؟ میں نے کہا ہاں۔ پھر انہوں نے کئی بار پوچھا میں نے کہا کیا میں تورات پڑھتا ہوں (جو اس میں دیکھ کر یہ روایت میں نے حاصل کی ہوگی میرا تو سارا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہوا ہے۔)

وحَدَّثَنِي أَبُو كُرَيْبٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ الْفَأْرَةُ مَسْخٌ وَآيَةُ ذَلِكَ أَنَّهُ يُوضَعُ بَيْنَ يَدَيْهَا لَبَنُ الْغَنَمِ فَتَشْرَبُهُ وَيُوضَعُ بَيْنَ يَدَيْهَا لَبَنُ الْإِبِلِ فَلَا تَذُوقُهُ فَقَالَ لَهُ كَعْبٌ أَسَمِعْتَ هَذَا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَفَأُنْزِلَتْ عَلَيَّ التَّوْرَاةُ۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا چوہا آدمی تھا جو مسخ ہو گیا اور اس کی دلیل یہ ہے کہ چوہے کے سامنے بکری کا دودھ رکھو تو پی لیتا ہے اور اونٹنی کا رکھو تو چکھتا تک نہیں، کعب نے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے؟ ابوہریرہ نے کہا پھر نہیں تو کیا مجھ پر تورات اُتری تھی۔)

حدیث میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ کے مسخ ہونے کا ذکر ہے، قرآن حکیم میں بھی ان کے ایک گروہ کا واقعہ مذکور ہے کہ جب اس نے اپنی فرمائش پر ہفتہ کو حرمت و عظمت کا دن قرار دلوایا اور پھر مال و دولت کی اندھی محبت اور نسلی غرور کے سبب مختلف حیلوں اور بہانوں سے اس دن کے احکام کی خلاف ورزی پر اُتر آئے

اور باوجود منع کرنے کے ان کی سرکشی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو وہ پاداش عمل میں انسانی شرف سے محروم ہو کر بندر و خنزیر کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔ (۹۸)

مسخ یعنی ایک حقیقت کا دوسری حقیقت میں بدل جانا بروئے عقل محال اور ناممکن نہیں ہے کیونکہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہر شے کا ردِ عمل نہ صرف ممکن ہے بلکہ اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے تو اس اصول پر اگر یہ ثابت ہو جائے کہ جس طرح ایک ادنیٰ حقیقت، اعلیٰ حقیقت میں تبدیل ہو جاتی ہے، اسی طرح کبھی مخصوص حالات میں ناموافق اثرات کی وجہ سے اعلیٰ حقیقت کم تر حقیقت میں تبدیل ہو جاتی ہے تو اس میں کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہے، خود انسانی پیدائش کے مراحل کا مطالعہ بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

نطفہ جب علقہ (لوتھڑے) مضغہ (گوشت) اور اسی طرح کے درجات طے کرتا ہے تو یہ اپنے ہر کم تر درجے میں ایک خاص حقیقت ہوتا ہے جب کہ اوپر کے درجے میں منتقل ہو کر بالکل دوسری حقیقت بن جاتا ہے اور اس طرح حقائق کے اندر ردوبدل ہوتا رہتا ہے لیکن یہ تمام تبدیلیاں ایک مہینہ کے اندر اندر ہوتی ہیں اور اس ابتدائی دَور میں ایک انسان کا جنین بھی درجات کے لحاظ سے ویسا ہی ہوتا جیسا کہ نباتات کا جنین یا مچھلی، چوپائے اور بندر کا، اور اس دَور کے آخر میں وہ بندر کی اعلیٰ قسم گوریلے اور چمپازی کے جنین کے بالکل مشابہ ہوتا ہے۔

اس کے بعد دوسرے مہینے کے شروع میں ان تمام نباتاتی اور حیوانی درجات میں ایک ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا ہو جاتا ہے کہ کل تک جو جنین حیوانات کی اعلیٰ قسم کے جنین کے مشابہ تھا انسانی حقیقت میں تبدیل ہونے لگتا ہے اور پھر پورے سات مہینے تک اس جنین میں قدرت مختلف قسم کی نقاشیاں کرتی رہتی ہے اور اس انسانی ڈھانچے کو مکمل انسان بناتی رہتی ہے، اگرچہ بعض مرتبہ قدرت الٰہی اپنے مصالح کی بناء پر دوسری خلقت کا پورا مظاہرہ نہیں کرتی تو آپ سنتے ہیں کہ فلاں شخص

کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو بیل یا بن مانس یا بندر کی شکل کا ہے یعنی بعض مرتبہ بعینہٖ ان حیوانات کی ہی شکل کا بچہ عالم وجود میں آجاتا ہے تو اگر تبدیلی حقائق کا یہ مظاہرہ روز و شب کائناتِ بحر و بر میں ہوتا رہتا ہے تو اگر کسی انسانی گروہ کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ خاص حالات و واقعات نے اس میں یہ عمل کیا کہ وہ انسانی شکل و صورت کو چھوڑ کر اپنی خلقت کے پچھلے درجہ میں تبدیل ہو گیا جو کہ حیوانی شکل سے متعلق ہے تو اس میں عقل و فلسفہ کے منافی کیا امر ہے؟

علاوہ ازیں مشہور طبیب زکریا رازی نے ماہرین فن کے حوالے سے جذام پر بحث کرتے ہوئے اس کی مختلف اقسام میں سے سب سے گھٹیا قسم یہ بتلائی ہے کہ جس میں زہر پھیل کر خون اس درجہ فاسد ہو جاتا ہے کہ وہ اعصاب اور شریانوں میں تشنج پیدا کر دیتا ہے اور اس کی وجہ سے مریض کا جسم ایک گھناؤنے اور مکروہ صورت بندر کی طرح نظر آنے لگتا ہے اور اس درجہ پر پہنچ کر مرض لاعلاج ہو جاتا ہے۔

لہٰذا اس میں کیا تعجب ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک حصہ پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اس طرح نازل ہو کہ ایک جانب تو ان کے قلوب مسخ ہو کر قلوب انسانی کے خواص سے محروم اور دوسری جانب ان کے جسم بدترین جذام کے ذریعے اس درجہ خراب کر دیئے گئے ہوں کہ وہ بندر، خنزیر اور چوہے کی شکل میں تبدیل نظر آنے لگے۔ (۹۹)

جو گروہ عذاب خداوندی کی وجہ سے مسخ کر دیئے جاتے ہیں، صحیح روایات کے مطابق ان کی نسل نہیں چلتی (۱۰۰) تاکہ دنیا میں ان کا وجود خود ان کے لیے زیادہ عرصہ تک ذلت و خواری کا باعث نہ رہے لہٰذا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہی مفہوم قرین قیاس ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو چوہوں کی شکل میں مسخ کر دیا گیا تھا، یہ مقصد نہیں کہ اس وقت موجود چوہے بنی اسرائیل گروہ کی مسخ شدہ شکل ہیں، چوہوں کی شکل میں مسخ ہونے کی تائید اس مشترکہ عادت سے

ہوتی ہے کہ بنی اسرائیل اونٹنی کا دودھ نہیں پیتے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے عرق النساء کے مرض کی وجہ سے نذر مانی تھی کہ صحت کی صورت میں وہ اپنی محبوب غذا ترک کر دیں گے، چنانچہ صحت ملنے پر اونٹ کا گوشت اور دودھ ترک کر دیا بعد ازیں بنی اسرائیل پر ان کا استعمال حرام قرار دے دیا گیا (۱۰۱) اور یہی عادت چوہے کی ہے (۱۰۲)۔

یہود کی جس گمراہی پر مسخ کا عذاب وارد ہوا وہ یہ تھی کہ احکام خداوندی کی تعمیل سے بچنے کے لیے مختلف حیلے بہانے تراشتے تھے (۱۰۳) اور یوں حرام کو حلال یا اس کے برعکس قرار دینا ان کا معمول تھا اور آج بھی سرمایہ پرست عناصر کا یہی طرز عمل ہے کہ انسانیت کے مفاد کے لیے نازل شدہ احکام سے پہلو تہی کرتے ہوئے نمود و نمائش کے ناجائز کاموں میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان کی اکثریت کے دل قبول حق سے عاری ہو گئے ہیں جو کہ معنوی مسخ بھی کہلاتا ہے۔

اس مقام پر یہ شبہ پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ اگر مسخ کو معنیً اور صورتاً دونوں حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے تو اس سے تناسخ (آواگون) لازم آجاتا ہے حالانکہ یہ باطل اور فاسد عقیدہ ہے، یہ شبہ اس لیے صحیح نہیں ہے کہ تناسخ میں روح (جیو) ایک قالب (کالبد) کو چھوڑ کر دوسرے قالب میں چلی جاتی ہے اور انسان اعمال و نیک و بد کی پاداش میں جون بدلنے کا یہ سلسلہ ازل سے ابد تک یوں ہی قائم ہے اور رہے گا لیکن مسخ کی صورت میں نہ روح بدلتی ہے اور نہ قالب بدلتا ہے بلکہ وہی قالب (جسم) ایک خاص ہیئت اور حقیقت سے دوسری حقیقت و ہیئت میں تبدیل ہو کر موت کی نذر ہو جاتا اور دوسرے مردہ انسانوں کی طرح مالک حقیقی کے سامنے اپنے اعمال کے جواب دہ ہونے کے لیے عالم برزخ کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ (۱۰۴)

صاحب ایمان کا شعور و بصیرت

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَيْنِ و حَدَّثَنِيهِ أَبُو الطَّاهِرِ وَحَرْمَلَةُ بْنُ يَحْيَى قَالَا أَخْبَرَنَا ابْنُ وَهْبٍ عَنْ يُونُسَ ح و حَدَّثَنِي زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَا حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عَمِّهِ عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ۔

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن ایک سوراخ سے دو بار ڈسا نہیں جاتا۔)

اس ارشاد گرامی کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک بھائی شاعر تھا، ابو عزہ اس کا نام تھا، یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کی ہجو کیا کرتا اور کفار کو آپ کے خلاف انگیخت کیا کرتا تھا، غزوہ بدر میں گرفتار کر کے آپ کے سامنے لایا گیا تو اس نے رہائی کی صورت میں احسان کرنے کی درخواست کی تو آپ نے اس سے عہد لیا کہ واپس جا کر نہ تو وہ ہجو کرے گا اور نہ ہی مسلمانوں کے خلاف انتشار پھیلائے گا، چنانچہ اس عہد کے بعد اس کو رہا کر دیا گیا، اس نے رہائی کے بعد دوبارہ ہجو گوئی اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیزی شروع کر دی۔ غزوۂ اُحد میں جب دوبارہ گرفتار ہوا اور پھر اس نے رہائی کی درخواست کی تو آپ نے بلیغ جملہ ارشاد فرمایا کہ صاحب ایمان ایک سوراخ سے دو بار ڈسا نہیں جاتا یعنی اب دوبارہ رہائی کی گنجائش نہیں رہی۔ (۱۰۵)

آپ کا ارشاد گرامی اس شان ورود کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس میں ایسی صفت بیان کی گئی ہے جو در حقیقت ایمانی فراست کا تقاضہ ہے کہ صاحب ایمان

حالات و واقعات کے بارے میں پوری طرح بیدار اور باشعور ہوتا ہے اس لیے اسے ایک سے زائد بار دھوکہ نہیں دیا جا سکتا، گویا اس میں اس خیال کی تردید ہے کہ مومن اپنے ماحول سے بیگانہ اور دنیوی مدوجزر سے لاتعلق ہوتا ہے، یہ تصور دورِ زوال کی پیداوار ہے یا راہبوں اور جوگیوں سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔ مومنِ کامل تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ بڑھ کر کوئی نہیں، آپ کی زندگی میں مکمل شعور، حالات سے مکمل آگاہی اور بھرپور احتیاط کی صفات بدرجہ اتم موجود تھیں اور مندرجہ بالا واقعہ اس کی ایک مثال ہے، لہٰذا سادہ لوح اور اپنے آپ میں مگن فرد کتنا ہی فرشتہ خصلت ہو وہ نہ صرف دنیوی امور میں معاشرے کی رہنمائی کی صلاحیت سے عاری ہوتا ہے بلکہ وہ شاطرانہ سیاست کا آلہ کار بن کر معاشرے کے لیے نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ گویا زہد کا مفہوم دنیوی معاملات سے لاتعلقی و بیزاری نہیں ہے، لہٰذا اہلِ اسلام کو اہلِ کفر کی طرف سے درپیش پیچیدہ صورت حال سے وہی افراد عہدہ برآ ہو سکتے ہیں جو حقیقی معنوں میں صاحب ایمان ہوں۔ یعنی خدا پرست اور عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ بیدار مغز، باشعور، گردوپیش سے باخبر، حالات کے پس منظر، پیش منظر سے واقف اور درپیش امور کے اتار چڑھاؤ سے بھی مکمل طور پر آگاہ ہوں۔

صاحب ایمان کے لیے سدا بہار خوشگوار حقیقت

حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ وَشَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ جَمِيعًا عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ الْمُغِيرَةِ وَاللَّفْظُ لِشَيْبَانَ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ۔

(حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن کا بھی عجب حال ہے اس کے تمام کام بھلائی کے ہیں یہ بات صاحب ایمان کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں ہے اگر اس کو خوشی حاصل ہو تو وہ شکر کرتا ہے اس میں بھی اس کے لیے بہتری ہے اور اگر اس کو نقصان پہنچے تو صبر کرتا ہے اس میں بھی اس کے لیے بہتری ہے۔)

دنیا میں خیر و شر ایک ساتھ چل رہے ہیں، اسی طرح انسان کے ساتھ خوشی و غمی کا چولی دامن کا ساتھ ہے اور انسان کی عظمت کا اظہار انہی متضاد مواقع پر ہوتا ہے، اس جہاں میں نہ تو کوئی مکمل طور پر مطمئن اور شاداں و فرحاں رہتا ہے اور نہ ہی کوئی ہمیشہ غم و آلام کی زندگی میں رہتا ہے گو خوشی و غمی کے تناسب میں کمی و بیشی ضرور ہوتی ہے اور اس کے مختلف اسباب ہیں، سر دست ان سے قطع نظر انسان خوشی و غم کی دونوں کیفیات سے دوچار ہوتا ہے اور ان کیفیات سے عہدہ برآ ہونے کا ہر ایک اپنا انداز رکھتا ہے، کچھ لوگ تو خوشی کے موقع پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات اتنے آگے نکل جاتے ہیں کہ دوسروں کے لیے نقصان کا باعث اور پریشانی کا موجب بنتے ہیں اور نظم و ضبط کی حدود پھلانگ کر اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق بھی پامال کر جاتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جن کے مشکل وقت میں ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں، مایوسی ان کے دلوں میں گھر کر جاتی ہے، جدوجہد سے منہ موڑ لیتے ہیں اور اپنی قسمت کو کوسنے لگ جاتے ہیں (۱۰۶) لیکن صاحب ایمان افراد کے ہاں لائق تقلید توازن اور قابل ستائش اعتدال ہوتا ہے، خوشی میسر آنے پر اللہ کا شکر بجالاتے ہیں، خوشی کا عملی اظہار ضرور کرتے ہیں مگر دائرہ انسانیت میں رہ کر بلکہ دوسروں کو بھی خوشیوں میں شریک کر کے قلبی سرور کی منزل حاصل کرتے ہیں اور مشکل و مصیبت کے وقت وہ صبر سے کام لیتے ہیں غم کا احساس ضرور رکھتے ہیں لیکن اس پر صف ماتم بچھا کر بیٹھنے کی بجائے از سر نو اپنی جدوجہد کا آغاز کرتے ہیں اور یوں ان کے صبر و شکر کے دونوں عمل ان کے لیے بہتری کا باعث

بنتے ہیں کہ نہ صرف اس سے ان کی شخصیت میں نکھار آ جاتا ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر اپنا کردار ادا کرنے کی صلاحیت صیقل ہو جاتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب بھی پاتے ہیں۔

خوشامد اور چاپلوسی کی شدید مذمت

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ مَدَحَ رَجُلٌ رَجُلًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَقَالَ وَيْحَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ مِرَارًا إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ مَادِحًا صَاحِبَهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ فُلَانًا وَاللَّهُ حَسِيبُهُ وَلَا أُزَكِّي عَلَى اللَّهِ أَحَدًا أَحْسِبُهُ إِنْ كَانَ يَعْلَمُ ذَاكَ كَذَا وَكَذَا۔

(حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک شخص کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تعریف کی، آپ نے فرمایا ہائے تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ ڈالی اپنے بھائی کی گردن کاٹ ڈالی (کئی بار آپ نے یہ فرمایا) جب کوئی تم میں سے اپنے بھائی کی تعریف کرنا ہی چاہے تو یوں کہے میں سمجھتا ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے اور میں دل کا حال نہیں جانتا یا عاقبت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایسا ہے ایسا ہے اگر اس بات کو جانتا ہو۔)

و حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبَّادِ بْنِ جَبَلَةَ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ ح و حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ أَخْبَرَنَا غُنْدَرٌ قَالَ شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ ذُكِرَ عِنْدَهُ رَجُلٌ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا مِنْ

رَجُلٍ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ مِنْهُ فِي كَذَا وَ كَذَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْحَكَ قَطَعْتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ مِرَارًا يَقُولُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ كَانَ أَحَدُكُمْ مَادِحًا أَخَاهُ لَا مَحَالَةَ فَلْيَقُلْ أَحْسِبُ فُلَانًا إِنْ كَانَ يُرَى أَنَّهُ كَذٰلِكَ وَلَا أُزَكِّي عَلَى اللّٰهِ أَحَدًا۔

(حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک شخص کا ذکر آیا، ایک شخص کہنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول کے بعد کوئی شخص فلاں فلاں کام میں اس سے بہتر نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہائے تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ ڈالی، کئی بار یہ فرمایا، پھر فرمایا! اگر تم میں سے کوئی ضرور ہی اپنے بھائی کی تعریف کرنا چاہے تو یوں کہے میں خیال کرتا ہوں (اگر وہ واقعی ایسا ہو) کہ وہ ایسا ہے اس پر بھی میں اللہ کے سامنے کسی کو اچھا نہیں کہتا (یعنی معلوم نہیں کہ وہ خدا کے نزدیک کیا ہے کیونکہ یہ علم خدا کے سوا کسی کو نہیں یا جس کو خدا بتلائے۔)

وحَدَّثَنِيهِ عَمْرٌو النَّاقِدُ حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ ح وحَدَّثَنَاه أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا شَبَابَةُ بْنُ سَوَّارٍ كِلَاهُمَا عَنْ شُعْبَةَ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَ حَدِيثِ يَزِيدَ بْنِ زُرَيْعٍ وَلَيْسَ فِي حَدِيثِهِمَا فَقَالَ رَجُلٌ مَا مِنْ رَجُلٍ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ مِنْهُ۔

(دوسری روایت میں اس جملہ کا ذکر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول کے بعد اس سے کوئی بہتر نہیں۔)

حَدَّثَنِي أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الصَّبَّاحِ حَدَّثَنَا إِسْمَعِيلُ بْنُ زَكَرِيَّاءَ عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُثْنِي عَلَى رَجُلٍ وَيُطْرِيهِ فِي الْمِدْحَةِ فَقَالَ لَقَدْ أَهْلَكْتُمْ أَوْ قَطَعْتُمْ ظَهْرَ الرَّجُلِ۔

(حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو ایک شخص کی تعریف کرتے ہوئے اور مدح میں مبالغہ کرتے ہوئے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم نے ہلاک کر دیا یا کاٹ ڈالا اس شخص کی پیٹھ کو۔)

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ وَمُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى جَمِيعًا عَنْ ابْنِ مَهْدِيٍّ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ حَبِيبٍ عَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ قَالَ قَامَ رَجُلٌ يُثْنِي عَلَى أَمِيرٍ مِنْ الْأُمَرَاءِ فَجَعَلَ الْمِقْدَادُ يَحْثِي عَلَيْهِ التُّرَابَ وَقَالَ أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَحْثِيَ فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ التُّرَابَ۔

(ابو معمر سے روایت ہے کہ ایک شخص حکام میں سے کسی حاکم کی تعریف کر رہا تھا، مقداد بن الاسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس پر مٹی ڈالنا شروع کی اور کہا حکم کیا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تعریف کرنے والوں کے منہ پر مٹی ڈالو (مراد حقیقتاً مٹی ڈالنا ہے جیسے مقداد سمجھے یا ناامید کرنا ہے یا کچھ نہ دینا یا مطلب یہ ہے کہ ان کے سامنے اپنی عاجزی بیان کرو مغرور نہ ہو۔)

و حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَمُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ وَاللَّفْظُ لِابْنِ الْمُثَنَّى قَالَا حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامِ بْنِ الْحَارِثِ أَنَّ رَجُلًا جَعَلَ يَمْدَحُ عُثْمَانَ فَعَمِدَ الْمِقْدَادُ فَجَثَا عَلَى رُكْبَتَيْهِ وَكَانَ رَجُلًا ضَخْمًا فَجَعَلَ يَحْثُو فِي وَجْهِهِ الْحَصْبَاءَ فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ مَا

شَأْنُكَ فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِينَ فَاحْثُوا فِي وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ۔

وحَدَّثَنَاه مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى وَابْنُ بَشَّارٍ قَالَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ مَنْصُورٍ ح و حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا الْأَشْجَعِيُّ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عُبَيْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ عَنِ الْأَعْمَشِ وَمَنْصُورٍ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ هَمَّامٍ عَنِ الْمِقْدَادِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ

(ہمام بن حارث سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرنے لگا، مقداد اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھے اور وہ بھاری بھر کم آدمی تھے اور تعریف کرنے والے کے منہ پر کنکریاں ڈالنے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا اے مقداد تم کو کیا ہوا؟ وہ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو توان کے منہ میں خاک ڈالو۔)

ان احادیث سے اس امر کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے کہ کسی کے منہ پر اس انداز سے تعریف کی جائے کہ اس میں حقیقت کا عنصر کم ہو اور مبالغہ زیادہ ہو (۱۰۷) کیونکہ اس نوعیت کی تعریف غلط بیانی اور جھوٹ پر مبنی ہوا کرتی ہے اور تعریف کرنے کا مقصد محض کسی خوبی کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ اس کے پس منظر میں عموماً خوشامد اور چاپلوسی ہوا کرتی ہے خوشامد اور چاپلوسی کی صفات کبھی اور کسی صورت میں بھی قابل ستائش قرار نہیں پاتیں (۱۰۸) کیونکہ انسانیت کے مرتبہ عزت نفس سے یہ امر کہیں فروتر ہے کہ ایک شخص اپنے جیسے انسان کے سامنے اپنی عزت نفس کو مجروح کرے لہٰذا کسی کو بت کی مانند اونچے مقام پر ایستادہ کر کے اس کے سامنے پجاری کی مانند رطب اللسان ہونا انتہائی غیر ذمہ دارانہ طرز عمل ہے جس کو حریت فکر کا حامل کوئی شخص اور معاشرہ گوارا نہیں کر سکتا۔

مبالغہ آمیز تعریف عموماً غلامانہ ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے اور اس کے مظاہر ان معاشروں میں دیکھنے کو زیادہ ملتے ہیں جو غلامی کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے ہوں، ایسے معاشروں میں اقتدار و اختیار کے مالک ان افراد کو ہی نوازتے ہیں جو ان کے سامنے خوشامدانہ رویہ کا اظہار کریں اور ان کی ہر ادا پر تحسین و توصیف کے قصیدے پڑھیں، چنانچہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ خوشامدی افراد کسی کی توجہ حاصل کرنے کی خاطر ایک ہی وقت میں کسی چیز کی تعریف میں آسمان و زمین کے قلابے ملا رہے ہوں گے اور اسی لمحے ممدوح کی طرف سے اس چیز کے بارے میں اظہار ناپسندیدگی پر بغیر کسی توقف کے اس کی خامیوں کی فہرست بیان کرنے لگیں گے۔ ایسے عناصر درحقیقت اپنے ضمیر کا گلاگھونٹ کر محض چند عارضی مفادات حاصل کرنے کے درپے ہوتے ہیں حالانکہ خوشامد اور چاپلوسی کا رویہ ہی ترقی کر کے انسان کو شرک کی تاریک راہ پر لاکھڑا کرتا ہے اور یوں وہ ہمیشہ کے لیے ٹاک ٹوئیاں مارتا پھرتا ہے۔

اسی طرح ایسے شخص کے سامنے حقیقی تعریف تک سے منع کیا گیا جس سے اس کے اندر صفت زہد ناپید ہوجائے اور غرور و تکبر کے جذبات پرورش پائیں (۱۰۹) کیونکہ ایسے افراد ہمیشہ دوسروں کو حقیر اور کم تر تصور کرتے ہیں جس سے معاشرے میں فساد کی راہ ہموار ہوتی ہے اور اس میں تقسیم کا عمل شروع ہو جاتا ہے کہ ممدوح اور اس کے حواریوں کا ایک الگ گروہ وجود میں آجائے جو دوسروں سے حقارت آمیز رویہ اپنائے۔

علاوہ ازیں خوشامدانہ تعریف و توصیف کے ذریعے درحقیقت اپنے ممدوح کے ساتھ بھی ناانصافی کی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ میں نہیں رہتا حقائق دیکھنے سے اندھا اور سننے سے بہرہ ہو جاتا ہے (۱۱۰) اور یوں اسے دائرہ انسانیت سے نکلنے پر آمادہ کر کے گویا اس کی گردن ہی کاٹ دی جاتی ہے، چنانچہ خوشامدی حلقہ ہمیشہ زوال کا باعث ثابت ہوا ہے، اس لیے احادیث میں ان کے منہ پر مٹی ڈالنے کی تلقین کی گئی

ہے تاکہ دوسرے لوگوں کے سامنے خوشامد اور چاپلوسی کی حوصلہ شکنی ہو اور اس طرح اسے معاشرتی روگ بننے سے روکا جا سکے۔ بعض شارحین حدیث نے مٹی ڈالنے کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ طمع ولالچ کے تحت جس کی تعریف کی جائے وہ اپنے مادہ تخلیق یعنی مٹی کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنی کم مائیگی اور خامیوں کا اعتراف کرے۔ (۱۱۱)

عمر کے حوالہ سے معاشرتی ادب

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ عَلِيٍّ الْجَهْضَمِيُّ حَدَّثَنِي أَبِي حَدَّثَنَا صَخْرٌ يَعْنِي ابْنَ جُوَيْرِيَةَ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَرَانِي فِي الْمَنَامِ أَتَسَوَّكُ بِسِوَاكٍ فَجَذَبَنِي رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ الْآخَرِ فَنَاوَلْتُ السِّوَاكَ الْأَصْغَرَ مِنْهُمَا فَقِيلَ لِي كَبِّرْ فَدَفَعْتُهُ إِلَى الْأَكْبَرِ۔

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب دیکھا میں مسواک کر رہا ہوں تو دو شخص میری طرف بڑھے ایک بڑا تھا اور دوسرا چھوٹا میں نے چھوٹے کو مسواک دینا چاہی، مجھ سے کہا گیا بڑے کو دوں۔

چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں لہٰذا اس حدیث سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ایک متوازن معاشرے میں اس امر کو ملحوظ رکھا جاتا ہے کہ عمر یا علم و فضل میں اپنے سے بڑے افراد کی عزت و توقیر کی جائے، یوں تو حقوق کے اعتبار سے افراد انسانی میں مساوات ہے لیکن معاشرے میں باہمی احترام و اکرام اور محبت و شفقت کے جذبات پروان چڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے سے بڑوں کے ساتھ عزت واکرام کے ساتھ پیش آیا جائے اور اپنے سے چھوٹوں

کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کیا جائے اور یہ امر معاشرتی اداروں کے استحکام کے لیے بھی ضروری ہے، اس طرح معاشرے میں ایک دسرے کے ساتھ حسن سلوک اور مرتبہ شناسی کی روایت قائم ہوگی اور جس معاشرے میں بڑوں کے احترام اور چھوٹوں پر شفقت کے جذبات سرد ہو جاتے ہیں تو وہ اس امر کی علامت ہے کہ وہاں سرمایہ پرستی اور موقع پرستی کے رویوں کو معاشرتی اصولوں کے طور پر اپنالیا گیا ہے جن سے فساد وانتشار کا باب کھل جاتا ہے اور پھر اس کے لیے بھرپور اجتماعی جدوجہد کی ضرورت دوچند ہو جاتی ہے کیونکہ معاشرے میں ایک دوسرے کے لیے احترام و محبت کے جذبات کی جگہ لاتعلقی، انا پرستی اور خود پسندی کا فروغ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ معاشرتی اقدار تبدیل ہو چکی ہیں اور اجتماعی مفاد کی بجائے ذاتی اغراض کو محور بنالیا گیا ہے اور ان اغراض کو اجتماعیت کے دائرہ میں رکھنا ہی زہد ہے۔

گفتگو کا سلیقہ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ حَدَّثَنَا بِهِ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُحَدِّثُ وَيَقُولُ اسْمَعِي يَا رَبَّةَ الْحُجْرَةِ اسْمَعِي يَا رَبَّةَ الْحُجْرَةِ وَعَائِشَةُ تُصَلِّي فَلَمَّا قَضَتْ صَلَاتَهَا قَالَتْ لِعُرْوَةَ أَلَا تَسْمَعُ إِلَى هَذَا وَمَقَالَتِهِ آنِفًا إِنَّمَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ حَدِيثًا لَوْ عَدَّهُ الْعَادُّ لَأَحْصَاهُ۔

(عروہ سے روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث بیان کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے سن اے حجرہ والی اے حجرہ والی اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نماز پڑھ رہی تھیں جب نماز پڑھ چکیں تو انہوں نے عروہ سے کہا تم نے ابوہریرہ کی باتیں سنیں (اتنی دیر میں انہوں نے کتنی حدیثیں بیان کیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح سے بات کرتے تھے کہ گننے والا اس کو چاہتا تو گن لیتا (یعنی ٹھہر ٹھہر کر آپ گفتگو کرتے تھے۔)

اس حدیث میں اس امر کا ذکر ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایات بیان کیں تاکہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ان کی تائید کریں چنانچہ حضرت عائشہ نے ان احادیث کا انکار نہیں کیا تاہم یہ کہا کہ انہوں نے تو اتنے کم وقت میں زیادہ احادیث بیان کیں (۱۱۲) جب کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بات کرنے کا انداز یہ تھا کہ اگر کوئی اسے گننا چاہتا تو باآسانی ایسا کر لیتا گویا گفتگو اور بالخصوص ایسے امور کے لیے جن کو ذہن نشین کرانا مقصود ہو یہ مناسب ہے کہ بات ٹھہر ٹھہر کر کی جائے۔

گویا اس حدیث سے گفتگو کرنے کے سلیقہ کی تعلیم ملتی ہے اور اس کو معمول بنانے سے انسان کی گفتگو زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے جب کہ تیز تیز بولنے سے متکلم کی توانائی تو صرف ہوتی ہے لیکن سامعین کماحقہ مستفید نہیں ہو پاتے اور یوں گفتگو کا مقصد حاصل نہیں ہو پاتا۔

کتابت حدیث نبوی

حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ الْأَزْدِيُّ حَدَّثَنَا هَمَّامٌ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَكْتُبُوا عَنِّي وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ وَحَدِّثُوا عَنِّي وَلَا حَرَجَ وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ قَالَ هَمَّامٌ أَحْسِبُهُ قَالَ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ۔

(حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مت لکھو میرا کلام اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ سن کر لکھا تو وہ اس کو مٹا ڈالے البتہ میری حدیث بیان کرو اس میں کچھ حرج نہیں اور جو شخص قصداً میرے اوپر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنالے گا۔)

اس حدیث سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث لکھنے کی جو ممانعت معلوم ہو رہی ہے تو اس کا سبب یہ تھا کہ دورِ نبوی کے ابتدائی سالوں میں صحابہ کرام میں لکھنے والے بہت کم تھے اور جو تھے وہ قرآن حکیم کی وحی لکھا کرتے تھے، اگر وہ ساتھ ہی احادیث بھی لکھنے لگ جاتے تو اندیشہ تھا کہ قرآن حکیم اور احادیث نبوی خلط ملط ہو جائیں، بعد میں جب صحابہ کرام قرآن کے اُسلوب اور اندازِ بیان سے واقف ہوگئے اور احادیث کے ساتھ اشتباہ کا اندیشہ نہ رہا تو آپ نے اجازت دے دی بلکہ کئی مواقع پر لکھنے کا حکم بھی دیا چنانچہ اسی کے نتیجہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کا صحیفہ "صادقہ" وجود میں آیا اور ان کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ ان کے علاوہ کوئی مجھ سے زیادہ احادیث بیان کرنے والا نہیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے ایک مرتبہ اس امر کے پیش نظر کسی کے مشورے پر لکھنا ترک کر دیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بسا اوقات ناراضگی کی حالت میں ہوتے ہیں جب آپ کے علم میں یہ بات آئی تو اپنی زبان مبارک کی جانب اشارہ کر کے فرمایا لکھا کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس سے حق بات کے سوا کوئی بات نہیں نکلتی اسی طرح ایک صحابی ابوشاہ نے آپ سے لکھے ہوئے احکام کی درخواست کی تو آپ نے دیگر صحابہ سے کہا کہ ابوشاہ کے لیے لکھ دو، مزید برآں خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ سے مروی صدقات و دیات کے کچھ احکام لکھ رکھے تھے۔ (۱۱۳)

الغرض ممانعت کتابت کا تعلق ابتدائی دَور رسالت کے معروضی حالات سے تھا، بعد میں آپ کی اجازت اور حکم پر معروضی حالات کی تبدیلی کے سبب صحابہ کرام نے احادیث قلم بند کیں لہٰذا یہ کہنا کہ احادیث آپ کے وصال کے ڈیڑھ یا دو سو سال بعد لکھی گئیں، تاریخی نقطۂ نظر سے بھی درست نہیں ہے، احادیث بلاشک و شبہ قرآن حکیم کی شرح اور حجت ہیں اور حدیث بالا میں ان کی اشاعت و ترویج کا حکم

ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس میں بے احتیاطی نہ ہو، اگر کوئی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب ایسی بات منسوب کرے گا جو آپ نے نہیں فرمائی تو یقیناً اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے گا۔

پُر عزم نوجوان کا لائق تقلید واقعہ

حَدَّثَنَا هَدَّابُ بْنُ خَالِدٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ حَدَّثَنَا ثَابِتٌ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى عَنْ صُهَيْبٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ مَلِكٌ فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَكَانَ لَهُ سَاحِرٌ فَلَمَّا كَبِرَ قَالَ لِلْمَلِكِ إِنِّي قَدْ كَبِرْتُ فَابْعَثْ إِلَيَّ غُلَامًا أُعَلِّمْهُ السِّحْرَ فَبَعَثَ إِلَيْهِ غُلَامًا يُعَلِّمُهُ فَكَانَ فِي طَرِيقِهِ إِذَا سَلَكَ رَاهِبٌ فَقَعَدَ إِلَيْهِ وَسَمِعَ كَلَامَهُ فَأَعْجَبَهُ فَكَانَ إِذَا أَتَى السَّاحِرَ مَرَّ بِالرَّاهِبِ وَقَعَدَ إِلَيْهِ فَإِذَا أَتَى السَّاحِرَ ضَرَبَهُ فَشَكَا ذَلِكَ إِلَى الرَّاهِبِ فَقَالَ إِذَا خَشِيتَ السَّاحِرَ فَقُلْ حَبَسَنِي أَهْلِي وَإِذَا خَشِيتَ أَهْلَكَ فَقُلْ حَبَسَنِي السَّاحِرُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذْ أَتَى عَلَى دَابَّةٍ عَظِيمَةٍ قَدْ حَبَسَتْ النَّاسَ فَقَالَ الْيَوْمَ أَعْلَمُ آلسَّاحِرُ أَفْضَلُ أَمْ الرَّاهِبُ أَفْضَلُ فَأَخَذَ حَجَرًا فَقَالَ اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ أَمْرُ الرَّاهِبِ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ أَمْرِ السَّاحِرِ فَاقْتُلْ هَذِهِ الدَّابَّةَ حَتَّى يَمْضِيَ النَّاسُ فَرَمَاهَا فَقَتَلَهَا وَمَضَى النَّاسُ فَأَتَى الرَّاهِبَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ لَهُ الرَّاهِبُ أَيْ بُنَيَّ أَنْتَ الْيَوْمَ أَفْضَلُ مِنِّي قَدْ بَلَغَ مِنْ أَمْرِكَ مَا أَرَى وَإِنَّكَ سَتُبْتَلَى فَإِنْ ابْتُلِيتَ فَلَا تَدُلَّ عَلَيَّ وَكَانَ الْغُلَامُ يُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَيُدَاوِي النَّاسَ مِنْ سَائِرِ الْأَدْوَاءِ فَسَمِعَ جَلِيسٌ لِلْمَلِكِ كَانَ قَدْ عَمِيَ فَأَتَاهُ بِهَدَايَا كَثِيرَةٍ فَقَالَ مَا هَاهُنَا لَكَ أَجْمَعُ إِنْ أَنْتَ شَفَيْتَنِي فَقَالَ إِنِّي لَا أَشْفِي أَحَدًا إِنَّمَا يَشْفِي اللَّهُ فَإِنْ أَنْتَ آمَنْتَ بِاللَّهِ دَعَوْتُ اللَّهَ فَشَفَاكَ فَآمَنَ بِاللَّهِ فَشَفَاهُ اللَّهُ فَأَتَى الْمَلِكَ فَجَلَسَ إِلَيْهِ كَمَا كَانَ يَجْلِسُ فَقَالَ

لَهُ الْمَلِكُ مَنْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ قَالَ رَبِّي قَالَ وَلَكَ رَبٌّ غَيْرِي قَالَ رَبِّي وَرَبُّكَ اللّٰهُ فَأَخَذَهُ فَلَمْ يَزَلْ يُعَذِّبُهُ حَتّٰى دَلَّ عَلَى الْغُلَامِ فَجِيءَ بِالْغُلَامِ فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ أَيْ بُنَيَّ قَدْ بَلَغَ مِنْ سِحْرِكَ مَا تُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَتَفْعَلُ وَتَفْعَلُ فَقَالَ إِنِّي لَا أَشْفِي أَحَدًا إِنَّمَا يَشْفِي اللّٰهُ فَأَخَذَهُ فَلَمْ يَزَلْ يُعَذِّبُهُ حَتّٰى دَلَّ عَلَى الرَّاهِبِ فَجِيءَ بِالرَّاهِبِ فَقِيلَ لَهُ ارْجِعْ عَنْ دِينِكَ فَأَبَى فَدَعَا بِالْمِئْشَارِ فَوَضَعَ الْمِئْشَارَ فِي مَفْرِقِ رَأْسِهِ فَشَقَّهُ حَتّٰى وَقَعَ شِقَّاهُ ثُمَّ جِيءَ بِجَلِيسِ الْمَلِكِ فَقِيلَ لَهُ ارْجِعْ عَنْ دِينِكَ فَأَبَى فَوَضَعَ الْمِئْشَارَ فِي مَفْرِقِ رَأْسِهِ فَشَقَّهُ بِهِ حَتّٰى وَقَعَ شِقَّاهُ ثُمَّ جِيءَ بِالْغُلَامِ فَقِيلَ لَهُ ارْجِعْ عَنْ دِينِكَ فَأَبَى فَدَفَعَهُ إِلَى نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ اذْهَبُوا بِهِ إِلَى جَبَلِ كَذَا وَكَذَا فَاصْعَدُوا بِهِ الْجَبَلَ فَإِذَا بَلَغْتُمْ ذُرْوَتَهُ فَإِنْ رَجَعَ عَنْ دِينِهِ وَإِلَّا فَاطْرَحُوهُ فَذَهَبُوا بِهِ فَصَعِدُوا بِهِ الْجَبَلَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ فَرَجَفَ بِهِمُ الْجَبَلُ فَسَقَطُوا وَجَاءَ يَمْشِي إِلَى الْمَلِكِ فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ مَا فَعَلَ أَصْحَابُكَ قَالَ كَفَانِيهِمُ اللّٰهُ فَدَفَعَهُ إِلَى نَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فَقَالَ اذْهَبُوا بِهِ فَاحْمِلُوهُ فِي قُرْقُورٍ فَتَوَسَّطُوا بِهِ الْبَحْرَ فَإِنْ رَجَعَ عَنْ دِينِهِ وَإِلَّا فَاقْذِفُوهُ فَذَهَبُوا بِهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ فَانْكَفَأَتْ بِهِمُ السَّفِينَةُ فَغَرِقُوا وَجَاءَ يَمْشِي إِلَى الْمَلِكِ فَقَالَ لَهُ الْمَلِكُ مَا فَعَلَ أَصْحَابُكَ قَالَ كَفَانِيهِمُ اللّٰهُ فَقَالَ لِلْمَلِكِ إِنَّكَ لَسْتَ بِقَاتِلِي حَتّٰى تَفْعَلَ مَا آمُرُكَ بِهِ قَالَ وَمَا هُوَ قَالَ تَجْمَعُ النَّاسَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ وَتَصْلُبُنِي عَلَى جِذْعٍ ثُمَّ خُذْ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِي ثُمَّ ضَعِ السَّهْمَ فِي كَبِدِ الْقَوْسِ ثُمَّ قُلْ بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ ثُمَّ ارْمِنِي فَإِنَّكَ إِذَا فَعَلْتَ ذٰلِكَ قَتَلْتَنِي فَجَمَعَ النَّاسَ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ وَصَلَبَهُ عَلَى جِذْعٍ ثُمَّ أَخَذَ سَهْمًا مِنْ كِنَانَتِهِ ثُمَّ وَضَعَ السَّهْمَ فِي كَبِدِ الْقَوْسِ ثُمَّ قَالَ

بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ ثُمَّ رَمَاهُ فَوَقَعَ السَّهْمُ فِي صُدْغِهِ فَوَضَعَ يَدَهُ فِي صُدْغِهِ فِي مَوْضِعِ السَّهْمِ فَمَاتَ فَقَالَ النَّاسُ آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ فَأُتِيَ الْمَلِكُ فَقِيلَ لَهُ أَرَأَيْتَ مَا كُنْتَ تَحْذَرُ قَدْ وَاللّٰهِ نَزَلَ بِكَ حَذَرُكَ قَدْ آمَنَ النَّاسُ فَأَمَرَ بِالْأُخْدُودِ فِي أَفْوَاهِ السِّكَكِ فَخُدَّتْ وَأَضْرَمَ النِّيرَانَ وَقَالَ مَنْ لَمْ يَرْجِعْ عَنْ دِينِهِ فَأَحْمُوهُ فِيهَا أَوْ قِيلَ لَهُ اقْتَحِمْ فَفَعَلُوا حَتّٰى جَاءَتْ امْرَأَةٌ وَمَعَهَا صَبِيٌّ لَهَا فَتَقَاعَسَتْ أَنْ تَقَعَ فِيهَا فَقَالَ لَهَا الْغُلَامُ يَا أُمَّهْ اصْبِرِي فَإِنَّكِ عَلَى الْحَقِّ۔

(صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم سے پہلے ایک بادشاہ تھا اور اس کا ایک جادو گر تھا، جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو بادشاہ سے بولا میں بوڑھا ہو گیا ہوں میرے پاس کوئی لڑکا بھیج دو تاکہ میں اس کو جادو سکھلاؤں، بادشاہ نے اس کے پاس ایک لڑکا بھیجا وہ اس کو جادو سکھلاتا تھا، اس لڑکے کی آمدورفت کی راہ میں ایک راہب رہتا تھا (نصرانی درویش) وہ لڑکا اس کے پاس بیٹھتا اور اس کا کلام سنتا، جو اس کو بھلا معلوم ہوتا، جب وہ جادوگر کے پاس جاتا تو راہب کی طرف سے ہو کر نکلتا اور اس کے پاس بیٹھتا پھر جب جادوگر کے پاس جاتا تو جادوگر اس کو مارتا، آخر لڑکے نے جادوگر کے مارنے کا راہب سے گلہ کیا، راہب نے کہا جب تم جادوگر سے ڈرو تو یہ کہہ دیا کر میرے گھر والوں نے مجھ کو روک رکھا تھا اور جب تم اپنے گھر والوں سے ڈرو تو کہہ دیا کرو کہ جادوگر نے مجھ کو روک رکھا تھا، اسی حالت میں وہ لڑکا رہا کہ اچانک (ایک دن) اس کا ایک بڑے قد کے جانور پر سے گزر ہوا جس نے لوگوں کو آمدورفت سے روک دیا تھا، لڑکے نے (دل میں) کہا کہ آج میں دریافت کرتا ہوں جادوگر افضل ہے یا راہب افضل ہے۔ اس نے ایک پتھر لیا اور کہا الٰہی! اگر راہب کا طریقہ تجھ کو پسند ہو جادوگر کے طریقہ کے مقابلے میں تو اس جانور کو قتل کرتا کہ لوگ چلیں پھریں پھر اس نے اس

کو پتھر سے مارا تو وہ جانور مر گیا اور لوگ آنے جانے لگے۔ پھر وہ لڑکا راہب کے پاس آیا اس کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا، تو راہب کہنے لگا بیٹا تو مجھ سے بڑھ گیا یقیناً تیرا مرتبہ یہاں تک پہنچا جو میں دیکھتا ہوں اور عنقریب تجھ پر آزمائش آئے گی پھر اگر تو آزمایا جائے تو میرا نام نہ بتلانا، اس لڑکے کا یہ حال تھا کہ اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا اور ہر قسم کی بیماری کا علاج کرتا۔ یہ حال بادشاہ کے ایک مصاحب نے سنا جو اندھا ہو گیا تھا وہ بہت سے تحفے لے کر لڑکے کے پاس آیا اور کہنے لگا یہ سب مال تیرا ہے اگر تو مجھ کو تندرست کر دے، لڑکے نے کہا میں کسی کو تندرست نہیں کرتا اچھا کرنا تو خداتعالیٰ کا کام ہے۔ اگر تو خدا پر ایمان لائے تو میں خدا سے دعا کروں وہ تجھ کو اچھا کر دے گا وہ مصاحب خدا پر ایمان لایا، اللہ نے اس کو اچھا کر دیا وہ بادشاہ کے پاس گیا اور اس کے پاس بیٹھا جیسا کہ بیٹھا کرتا تھا، بادشاہ نے کہا تیری آنکھ کس نے روشن کی، مصاحب بولا میرے پروردگار نے، بادشاہ نے کہا میرے سوا تیرا کون پروردگار ہے مصاحب نے کہا میرا اور تیرا دونوں کا مالک اللہ ہے، بادشاہ نے اس کو پکڑا اور مارنا شروع کیا اور مارتا رہا یہاں تک کہ اس نے لڑکے کا نام لیا، وہ لڑکا بلایا گیا بادشاہ نے اس سے کہا اے بیٹا تو جادو میں اس درجہ پر پہنچا کہ اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہے اور بڑے بڑے کام کرتا ہے وہ بولا میں تو کسی کو اچھا نہیں کرتا خدا کرتا ہے بادشاہ نے اس کو پکڑا اور مارتا رہا یہاں تک کہ اس نے راہب کا نام بتلایا وہ راہب پکڑا ہوا آیا اس سے کہا گیا اپنے دین سے پھر جا اس نے نہ مانا، بادشاہ نے ایک آرہ منگوایا اور راہب کے سر کی مانگ پر رکھا اور اس کو چیر ڈالا یہاں تک کہ وہ دو ٹکڑے ہو کر گرا پھر وہ مصاحب بلایا گیا اس سے کہا تو اپنے دین سے پھر جا اس نے بھی نہ مانا اس کے سر کی مانگ پر بھی آرہ رکھا اور چیر ڈالا یہاں تک کہ دو ٹکڑے ہو کر گرا۔ پھر وہ لڑکا بلایا گیا اس سے کہا اپنے دین سے پلٹ جا، اس نے بھی نہ مانا بادشاہ نے اس کو چند دیگر مصاحبوں کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کو فلاں پہاڑ پر لے جا کر چوٹی پر چڑھاؤ جب تم چوٹی پر پہنچو تو اس لڑکے سے پوچھو اگر وہ اپنے دین سے پھر جائے تو خیر ورنہ

اس کو (پہاڑ سے) دھکا دے دینا، وہ اس کو لے گئے اور پہاڑ پر چڑھا یا لڑکے نے دعا کی الٰہی تو جس طرح سے چاہے مجھ ان کے شر سے بچا پہاڑ ہلا اور وہ لوگ گر پڑے وہ لڑکا بادشاہ کے پاس چلا آیا۔ بادشاہ نے پوچھا تیرے ساتھی کدھر گئے، اس نے کہا خدا نے مجھ کو ان کے شر سے بچایا پھر بادشاہ نے اس کو اپنے چند (دیگر) مصاحبوں کے حوالے کیا اور کہا اس کو لے جاؤ ایک کشتی پر چڑھاؤ اور دریا کے اندر لے جاؤ اگر اپنے دین سے پھر جائے تو خیر ورنہ اس کو دریا میں دھکیل دو وہ لوگ اس کو لے گئے لڑکے نے کہا الٰہی تو مجھ کو جس طرح چاہے ان کے شر سے بچا دے۔ وہ کشتی اوندھی ہو گئی اور لڑکے کے ساتھی ڈوب گئے اور لڑکا زندہ بچ کر بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا تیرے ساتھی کہاں گئے، وہ بولا اللہ تعالیٰ نے ان سے مجھ کو بچایا پھر لڑکے نے بادشاہ سے کہا تم مجھ کو نہ مار سکو گے یہاں تک کہ میں جو بتلاؤں وہ کرو، بادشاہ نے کہا وہ کیا؟ اس نے کہا تم سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو اور ایک لکڑی پر مجھ کو سولی دو پھر میرے ترکش سے ایک تیر لو اور کمان کے اندر رکھو پھر کہو خدا کے نام سے جو اس لڑکے کا مالک ہے مارتا ہوں پھر تیر مارو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو مجھ کو قتل کر سکو گے۔ بادشاہ نے سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور اس لڑکے کو ایک لکڑی پر سولی دی پھر اس کے ترکش میں سے ایک تیر لیا اور تیر کو کمان کے اندر رکھ کر کہا خدا کے نام سے مارتا ہوں جو اس لڑکے کا مالک ہے اور تیر مارا وہ لڑکے کی کنپٹی پر لگا اس نے اپنا ہاتھ تیر کے مقام پر رکھا اور مر گیا۔ اور لوگوں نے یہ حال دیکھ کر کہا ہم تو اس لڑکے کے پروردگار پر ایمان لائے، ہم اس لڑکے پروردگار پر ایمان لائے، ہم اس لڑکے کے پروردگار پر ایمان لائے، کسی نے بادشاہ سے کہا جو تو ڈرتا تھا خدا کی قسم وہی ہوا یعنی لوگ ایمان لے آئے۔ بادشاہ نے راہوں کے ناکوں پر خندقیں کھودنے کا حکم دیا۔ پھر خندقیں کھودی گئیں اور ان کے اندر خوب آگ بھڑکائی گئی اور کہا جو شخص اس دین سے (یعنی اس لڑکے کے دین سے) نہ پھرے اس کو ان خندقوں میں دھکیل دو یا اس سے کہو کہ ان خندقوں میں گرے۔ لوگوں

نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ ایک عورت آئی اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا وہ عورت آگ میں گرنے سے (پیچھے ہٹی) بچہ نے کہا اے ماں! صبر کر تو سچے دین پر ہے (کہ مرنے کے بعد پھر چین ہی چین ہے پھر تو دنیا کی مصیبت سے کیوں ڈرتی ہے۔)

قرآن حکیم کی سورۂ بروج میں اصحاب الاخدود (کھائی والوں) کا تذکرہ ہے اس ذیل میں مذکور واقعہ بھی اس کے تحت داخل ہے، گو آیات کا سبب نزول ایک خاص واقعہ ہے لیکن اصول تفسیر کی روشنی میں اس نوعیت کے دیگر واقعات بھی آیات قرآنی کی مصداق ہیں (۱۱۴)

اس واقعہ سے اس امر کا سبق ملتا ہے کہ جب انسان حق کو قبول کر لے تو پھر باطل کتنے ہی جاہ و جلال شان و شوکت اور جبر و تشدد سے مرعوب کرنے کی کوشش کرے، اس کا دباؤ کسی خاطر میں نہ لایا جائے اور یوں اعلیٰ نظریات پر پختہ و مستحکم ایمان کے سبب باطل کی دسترس میں موجود تمام ہتھکنڈے اس پر کوئی خوف طاری نہیں کر سکتے جیسا کہ واقعہ میں مذکور نوجوان نے اپنی نظریاتی پختگی اور عقیدے کے رسوخ سے ساری سلطنت کو ہلا کر رکھ دیا در حقیقت توحید یا اللہ پر ایمان ایک ایسا نصب العین ہے کہ اس کو دل و جان سے مان لینے کے بعد انسان مادہ پرستی اور سرمایہ پرستی کے تمام شیطانی مظاہر سے اپنی براءت کا اظہار کر دیتا ہے، پھر اس کا کردار اسی نصب العین کی روشنی میں تشکیل پاتا ہے اور پھر وہ ہر ظالم بادشاہت، ہر استحصالی حکومت، ہر ظالمانہ نظام، ہر غیر منصفانہ معاشرتی ڈھانچہ، اور ہر فرسودہ مذہبی روایت کا مکمل انکار کر دیتا ہے، یہ کوئی رسمی عقیدہ یا محدود تصور نہیں ہوتا اور اسی وجہ سے ظالم بادشاہوں اور حکومتوں کے سامنے اعلانِ توحید سے ان کا سکون غارت ہو جاتا ہے اور پھر وہ امن و امان کے قیام اور دہشت گردی کے انسداد کے نام پر ایسے افراد سے زندگی کا حق تک چھین لینا ضروری تصور کرتے ہیں تاکہ ان کے انجام سے معاشرے

کے دیگر افراد کو عبرت حاصل ہو۔ چنانچہ نظام ظلم نے انتقام کے جذبات میں اندھا ہو کر سب سے پہلے اس نوجوان کے استاذ راہب کی وحشیانہ طریقے سے جان لی کہ اسے آرے سے چیر دیا گیا پھر بادشاہ کے اس ہم نشین پر نزلہ گرا کہ توحید پر ایمان لے آیا تھا اور وہ بھی راہب کے انجام سے دوچار ہوا، بعدازیں اس خوف و دہشت کی فضا میں اس کم سن نوجوان کو دوبارہ دین حق سے منحرف ہونے کی مہلت دی گئی لیکن اس نے انکار کر دیا جس پر اس کی جان لینے کے مختلف طریقے آزمائے گئے اور ان تمام طریقوں میں بادشاہ اور اس کے نظام کو منہ کی کھانی پڑی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔

غرض جب نظام وقت کا بوداپن لوگوں پر واضح ہو گیا اور اس نوجوان نے اندازہ کر لیا کہ یہ نظام بہر صورت اس کی جان لینے پر تلا ہوا ہے اور دوسری جانب اسے لوگوں کے بارے میں یہ احساس ہو گیا کہ ان میں توحید کے جذبات بیدار ہو رہے ہیں لہٰذا ان کے اظہار کے لیے کوئی مناسب موقع مہیا ہو جانا چاہیے تو پھر اس نے دلیری اور بہادری کے ساتھ جامِ شہادت نوش کرنے کا فیصلہ کیا اور بادشاہ وقت کو اپنی جان لینے کا طریقہ بتا کر اس کی بے بسی کو سب کے سامنے آشکارا کیا، انتقام کی آگ میں جلنے والے ناعاقبت اندیش حکمراں نے فوری طور پر اس کم سن نوجوان کی تجویز پر عمل کیا تو وہ نوجوان شہید ہو گیا اور یہ واقعہ ہونا تھا کہ میدانِ شہادت اعلان توحید سے گونج اُٹھا جس سے حکمران کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے، بدحواسی اور اشتعال کے عالم میں خندقیں کھدوائی گئیں، انہیں آگ سے دہکا کر فرزندانِ توحید کو ان میں زندہ جلا دیا گیا۔ یہ قیامت ایک شیر خوار بچے تک پر گزری لیکن اس نے بھی اپنی ماں کی ڈھارس بندھائی اور یوں یہ واقعہ تاریخ میں دلیری و بہادری اور ایثار و قربانی کی علامت بن کر وقت کے ظالموں کے خلاف فرزندانِ توحید کو حوصلہ و جرات عطا کرتا رہے گا۔

فائدہ: یہاں جس گود کے بچے کا ذکر ہے، یہ ان بچوں میں سے ایک ہے جنہوں نے کم سنی میں گفتگو کی، اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی والدہ حضرت مریم کی گود میں گفتگو کی تھی۔ (۱۱۵)

تنگدستوں کے ساتھ درگذر کا برتاؤ

حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ مَعْرُوفٍ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ وَتَقَارَبَا فِي لَفْظِ الْحَدِيثِ وَالسِّيَاقُ لِهَارُونَ قَالَا حَدَّثَنَا حَاتِمُ بْنُ إِسْمَعِيلَ عَنْ يَعْقُوبَ بْنِ مُجَاهِدٍ أَبِي حَزْرَةَ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الْوَلِيدِ بْنِ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ خَرَجْتُ أَنَا وَأَبِي نَطْلُبُ الْعِلْمَ فِي هَذَا الْحَيِّ مِنَ الْأَنْصَارِ قَبْلَ أَنْ يَهْلِكُوا فَكَانَ أَوَّلُ مَنْ لَقِينَا أَبَا الْيَسَرِ صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ غُلَامٌ لَهُ مَعَهُ ضِمَامَةٌ مِنْ صُحُفٍ وَعَلَى أَبِي الْيَسَرِ بُرْدَةٌ وَمَعَافِرِيٌّ وَعَلَى غُلَامِهِ بُرْدَةٌ وَمَعَافِرِيٌّ فَقَالَ لَهُ أَبِي يَا عَمِّ إِنِّي أَرَى فِي وَجْهِكَ سَفْعَةً مِنْ غَضَبٍ قَالَ أَجَلْ كَانَ لِي عَلَى فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ الْحَرَامِيِّ مَالٌ فَأَتَيْتُ أَهْلَهُ فَسَلَّمْتُ فَقُلْتُ ثَمَّ هُوَ قَالُوا لَا فَخَرَجَ عَلَيَّ ابْنٌ لَهُ جَفْرٌ فَقُلْتُ لَهُ أَيْنَ أَبُوكَ قَالَ سَمِعَ صَوْتَكَ فَدَخَلَ أَرِيكَةَ أُمِّي فَقُلْتُ اخْرُجْ إِلَيَّ فَقَدْ عَلِمْتُ أَيْنَ أَنْتَ فَخَرَجَ فَقُلْتُ مَا حَمَلَكَ عَلَى أَنِ اخْتَبَأْتَ مِنِّي قَالَ أَنَا وَاللَّهِ أُحَدِّثُكَ ثُمَّ لَا أَكْذِبُكَ خَشِيتُ وَاللَّهِ أَنْ أُحَدِّثَكَ فَأَكْذِبَكَ وَأَنْ أَعِدَكَ فَأُخْلِفَكَ وَكُنْتَ صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنْتُ وَاللَّهِ مُعْسِرًا قَالَ قُلْتُ آللَّهِ قَالَ اللَّهِ قُلْتُ آللَّهِ قَالَ اللَّهِ قُلْتُ آللَّهِ قَالَ اللَّهِ قَالَ فَأَتَى بِصَحِيفَتِهِ فَمَحَاهَا بِيَدِهِ فَقَالَ إِنْ وَجَدْتَ قَضَاءً فَاقْضِنِي وَإِلَّا أَنْتَ فِي حِلٍّ فَأَشْهَدُ بَصَرُ عَيْنَيَّ هَاتَيْنِ وَوَضَعَ إِصْبَعَيْهِ عَلَى عَيْنَيْهِ وَسَمْعُ أُذُنَيَّ هَاتَيْنِ وَوَعَاهُ قَلْبِي هَذَا

وَأَشَارَ إِلَى مَنَاطِ قَلْبِهِ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظَلَّهُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ۔

(عبادہ بن ولید بن عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں اور میرے والد دونوں دین کا علم حاصل کرنے کے لیے انصار کے قبیلہ میں نکلے (گئے) قبل اس کے کہ وہ انتقال کر جائیں تو سب سے پہلے ہم ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے ملے جو صحابی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی تھا جو کتابوں (خطوں) کا ایک گٹھا لیے ہوئے تھا اور ابوالیسر کے بدن پر ایک چادر تھی اور ایک معافری کپڑا تھا (معافر ایک گاؤں ہے یا ایک قبیلہ ہے) ان کے غلام پر بھی ایک چادر تھی اور ایک معافری کپڑا تھا (یعنی آقا اور غلام دونوں ایک ہی طرح کا لباس پہنے ہوئے تھے) میں نے ان سے کہا اے چچا آپ کے چہرہ پر رنج کے آثار نظر آتے ہیں وہ بولے ہاں میرا قرض بنی حرام کے قبیلہ میں سے فلاں بن فلاں کے ذمہ تھا، میں اس کے گھر والوں کے پاس گیا اور سلام کیا اور پوچھا وہ شخص وہاں ہے؟ انہوں (گھر والوں) نے کہا یہاں نہیں ہے پھر اس کا ایک بیٹا جو جوانی کے قریب تھا باہر نکلا میں نے اس سے پوچھا تمہارے والد کہاں ہیں؟ وہ بولا آپ کی آواز سن کر میری ماں کے چھپر کھٹ میں چھپ گئے ہیں تب میں نے آواز دی اور کہا اے فلاں باہر نکل۔ میں نے جان لیا تم جہاں ہو۔ یہ سن کر وہ نکلا۔ میں نے کہا تم مجھ سے کیوں چھپ کیوں رہے ہو وہ بولا قسم خدا کی میں جو تم سے کہوں گا جھوٹ نہیں کہوں گا قسم خدا کی مجھے اندیشہ تھا کہ تم سے جھوٹ بات کروں یا تم سے وعدہ کروں اور خلاف کروں اور تم صحابی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور میں قسم خدا کی محتاج ہوں میں نے کہا قسم خدا کی کیا واقعی محتاج ہو۔ وہ بولا قسم خدا کی میں نے کہا قسم خدا کی وہ بولا قسم خدا کی میں نے کہا قسم خدا کی وہ بولا قسم خدا کی پھر اس (کے قرض) کی دستاویز لائی گئی۔ ابوالیسر نے اس کو اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور کہا اگر تمہارے پاس روپیہ آ جائے تو ادا کرنا ورنہ تم آزاد ہو تو میری ان دونوں آنکھوں کی بصارت نے

دیکھا اور ابوالیسر نے اپنی انگلیاں اپنی آنکھوں پر رکھیں اور میرے ان دونوں کانوں سے سنا اور میرے دل نے یاد رکھا اور ابوالیسر نے اشارہ کیا اپنے دل کی رگ کی طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ فرماتے تھے جو شخص کسی تنگ دست کو مہلت دے یا اس کو معاف کر دے اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں رکھے گا۔)

زیر دستوں کے ساتھ مواساۃ و مساوات

قَالَ فَقُلْتُ لَهُ أَنَا يَا عَمِّ لَوْ أَنَّكَ أَخَذْتَ بُرْدَةَ غُلَامِكَ وَأَعْطَيْتَهُ مَعَافِرِيَّكَ وَأَخَذْتَ مَعَافِرِيَّهُ وَأَعْطَيْتَهُ بُرْدَتَكَ فَكَانَتْ عَلَيْكَ حُلَّةٌ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ فَمَسَحَ رَأْسِي وَقَالَ اللَّهُمَّ بَارِكْ فِيهِ يَا ابْنَ أَخِي بَصَرُ عَيْنَيَّ هَاتَيْنِ وَسَمْعُ أُذُنَيَّ هَاتَيْنِ وَوَعَاهُ قَلْبِي هَذَا وَأَشَارَ إِلَى مَنَاطِ قَلْبِهِ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ أَطْعِمُوهُمْ مِمَّا تَأْكُلُونَ وَأَلْبِسُوهُمْ مِمَّا تَلْبَسُونَ وَكَانَ أَنْ أَعْطَيْتُهُ مِنْ مَتَاعِ الدُّنْيَا أَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ حَسَنَاتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

(عبادہ نے کہا میں نے ان سے کہا اے چچا آپ اگر اپنے غلام کی چادر لے لیں اور اپنا کپڑا اس کو دے دیں تو آپ کے پاس بھی ایک جوڑا پورا ہو جائے گا اور اس کے پاس بھی ایک جوڑا ہو جائے گا، ابوالیسر نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا یا اللہ برکت دے اس لڑکے کو، اے میرے بھتیجے میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا اور میرے ان دونوں کانوں نے سنا اور میرے اس دل نے یاد رکھا اور اشارہ کیا اپنے دل کی رگ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ فرماتے تھے اپنے زیر دستوں کو وہ کھلاؤ جو تم کھاتے ہو اور وہ پہناؤ جو تم پہنتے ہو پھر اگر میں اس کو دنیا کا سامان دے دوں تو وہ آسان ہے میرے نزدیک اس سے کہ وہ قیامت کے دن میری نیکیاں لے جائے۔)

مساجد کی طہارت و نظافت

ثُمَّ مَضَيْنَا حَتَّى أَتَيْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ فِي مَسْجِدِهِ وَهُوَ يُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهِ فَتَخَطَّيْتُ الْقَوْمَ حَتَّى جَلَسْتُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ أَتُصَلِّي فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَرِدَاؤُكَ إِلَى جَنْبِكَ قَالَ فَقَالَ بِيَدِهِ فِي صَدْرِي هٰكَذَا وَفَرَّقَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ وَقَوَّسَهَا أَرَدْتُ أَنْ يَدْخُلَ عَلَيَّ الْأَحْمَقُ مِثْلُكَ فَيَرَانِي كَيْفَ أَصْنَعُ فَيَصْنَعُ مِثْلَهُ أَتَانَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسْجِدِنَا هٰذَا وَفِي يَدِهِ عُرْجُونُ ابْنِ طَابٍ فَرَأَى فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ نُخَامَةً فَحَكَّهَا بِالْعُرْجُونِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا فَقَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يُعْرِضَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فَخَشَعْنَا ثُمَّ قَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يُعْرِضَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ فَخَشَعْنَا ثُمَّ قَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يُعْرِضَ اللّٰهُ عَنْهُ قُلْنَا لَا أَيُّنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا قَامَ يُصَلِّي فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قِبَلَ وَجْهِهِ فَلَا يَبْصُقَنَّ قِبَلَ وَجْهِهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ تَحْتَ رِجْلِهِ الْيُسْرَى فَإِنْ عَجِلَتْ بِهِ بَادِرَةٌ فَلْيَقُلْ بِثَوْبِهِ هٰكَذَا ثُمَّ طَوَى ثَوْبَهُ بَعْضَهُ عَلَى بَعْضٍ فَقَالَ أَرُونِي عَبِيرًا فَقَامَ فَتًى مِنَ الْحَيِّ يَشْتَدُّ إِلَى أَهْلِهِ فَجَاءَ بِخَلُوقٍ فِي رَاحَتِهِ فَأَخَذَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَهُ عَلَى رَأْسِ الْعُرْجُونِ ثُمَّ لَطَخَ بِهِ عَلَى أَثَرِ النُّخَامَةِ فَقَالَ جَابِرٌ فَمِنْ هُنَاكَ جَعَلْتُمُ الْخَلُوقَ فِي مَسَاجِدِكُمْ۔

(عبادہ نے کہا پھر ہم چلے یہاں تک کہ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما کے پاس ان کی مسجد میں آئے وہ ایک کپڑے کو لپیٹے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے، میں لوگوں پر سے پھاندا یہاں تک کہ ان کے اور قبلہ کے بیچ میں جابیٹا۔ میں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے کیا آپ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے ہیں اور آپ کی چادر پہلو

میں رکھی ہے۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے میرے سینہ پر اس طرح اشارہ کیا (یعنی) انگلیوں کو کشادہ رکھا اور ان کو کمان کی طرح خم دیا اور کہا میں نے یہ چاہا کہ تیرے مانند کوئی احمق میرے پاس آئے پھر وہ مجھے دیکھے جو میں کرتا ہوں اور ویسا ہی کرے (پھر حضرت جابر نے مختلف احادیث بیان کیں، چنانچہ وہ کہتے ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری اس مسجد میں آئے اور آپ کے ہاتھ میں ایک شاخ تھی ابن طاب کی (جو ایک کھجور ہے) آپ نے مسجد میں قبلہ کی طرف بلغم دیکھا (کسی نے تھوکا تھا) آپ نے اس کو لکڑی سے کھرچ ڈالا پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم میں سے کون یہ بات چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے منہ پھیر لے۔ ہم یہ سن کر ڈر گئے، پھر آپ نے فرمایا تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے منہ پھیر لے (یہ سن کر) ہم ڈر گئے۔ پھر آپ نے فرمایا تم میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے منہ پھیر لے۔ ہم نے کہا کوئی نہیں یہ چاہتا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے منہ کے سامنے ہوتا ہے (یعنی جہت جس کو اللہ نے عظمت دی یا کعبہ) تو اپنے منہ کے سامنے نہ تھوکے اور نہ داہنی طرف بلکہ بائیں طرف بائیں پاؤں کے تلے تھوکے۔ اگر بلغم جلدی نکلنا چاہے تو اپنے کپڑے میں تھوک کر ایسا کرلے پھر آپ نے (سمجھانے کے لیے) اپنے کپڑے کو تہ بہ تہ لپیٹا، اس کے بعد فرمایا میرے پاس خوشبو لاؤ ایک جوان ہمارے قبیلہ میں سے لپکا اور اپنے گھر والوں کے پاس دوڑا گیا اور اپنی ہتھیلی میں خوشبو لے کر آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس خوشبو کو لکڑی کی نوک پر لگایا اور جہاں بلغم کا نشان تھا وہاں خوشبو لگادی۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں اسی بناء پر تم اپنی مسجدوں میں خوشبو رکھتے ہو۔)

بد دعا کی ممانعت

سِرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ بَطْنِ بُوَاطٍ وَهُوَ يَطْلُبُ الْمَجْدِيَّ بْنَ عَمْرٍو الْجُهَنِيَّ وَكَانَ النَّاضِحُ يَعْقُبُهُ مِنَّا الْخَمْسَةُ وَالسِّتَّةُ وَالسَّبْعَةُ فَدَارَتْ عُقْبَةُ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ عَلَى نَاضِحٍ لَهُ فَأَنَاخَهُ فَرَكِبَهُ ثُمَّ بَعَثَهُ فَتَلَدَّنَ عَلَيْهِ بَعْضَ التَّلَدُّنِ فَقَالَ لَهُ شَأْ لَعَنَكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هٰذَا اللَّاعِنُ بَعِيرَهُ قَالَ أَنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ انْزِلْ عَنْهُ فَلَا تَصْحَبْنَا بِمَلْعُونٍ لَا تَدْعُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَوْلَادِكُمْ وَلَا تَدْعُوا عَلَى أَمْوَالِكُمْ لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيبُ لَكُمْ.

(جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بطن بواط کی لڑائی میں چلے (وہ ایک پہاڑ ہے جہینہ کے پہاڑوں میں سے) اور آپ مجدی بن عمرو جہنی کی تلاش میں تھے (جو ایک کافر تھا) اور ہم لوگوں کا یہ حال تھا کہ پانچ اور چھ اور سات آدمیوں مابین ایک اونٹ تھا جس پر باری باری سوار ہوتے تو ایک انصاری کی چڑھنے کی باری آئی اس نے اونٹ کو بٹھایا اس پر سوار ہوا پھر اس کو اُٹھایا تو وہ کچھ اڑا وہ انصاری بولا شاء (یہ کلمہ اونٹ کے ڈانٹنے کا) خدا تجھ پر لعنت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ کون ہے جو لعنت کرتا ہے اپنے اونٹ پر۔ وہ انصاری بولا میں ہوں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے فرمایا اس اونٹ پر سے اتر جاؤ اور ہمارے ساتھ وہ نہ رہے جس پر لعنت کی گئی ہو۔ مت بددعا کرو اپنی جان کے خلاف اور مت بددعا کرو اپنی اولاد کے خلاف اور مت بددعا کرو اپنے مالوں کے خلاف ایسا نہ ہو یہ بددعا اس ساعت میں نکلے جب خدا سے کچھ مانگا جاتا ہے اور وہ قبول کرتا ہے (تو تمہاری بددعا بھی قبول ہو جائے اور تم پر آفت آئے)۔

معاملات کی پیش بندی کی اہمیت

سِرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی إِذَا کَانَتْ عُشَیْشِیَۃٌ وَدَنَوْنَا مَاءً مِنْ مِیَاہِ الْعَرَبِ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ رَجُلٌ یَتَقَدَّمُنَا فَیَمْدُرُ الْحَوْضَ فَیَشْرَبُ وَیَسْقِینَا قَالَ جَابِرٌ فَقُمْتُ فَقُلْتُ ہٰذَا رَجُلٌ یَا رَسُولَ اللّٰہِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَیُّ رَجُلٍ مَعَ جَابِرٍ فَقَامَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَانْطَلَقْنَا إِلَی الْبِئْرِ فَنَزَعْنَا فِي الْحَوْضِ سَجْلًا أَوْ سَجْلَیْنِ ثُمَّ مَدَرْنَاہُ ثُمَّ نَزَعْنَا فِیہِ حَتّٰی أَفْہَقْنَاہُ فَکَانَ أَوَّلَ طَالِعٍ عَلَیْنَا رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتَأْذَنَانِ قُلْنَا نَعَمْ یَا رَسُولَ اللّٰہِ فَأَشْرَعَ نَاقَتَہُ فَشَرِبَتْ شَنَقَ لَہَا فَشَجَتْ فَبَالَتْ ثُمَّ عَدَلَ بِہَا فَأَنَاخَہَا۔

(جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے جب شام ہوئی اور عرب کے ایک پانی (کے ذخیرہ) کے قریب ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کون شخص ہم لوگوں سے آگے بڑھ کر حوض کو درست کرے گا کہ آپ بھی پیئے اور ہم کو بھی پلائے جابر نے کہا میں کھڑا ہوا اور عرض کیا یہ شخص آگے جائے گا یا رسول اللہ آپ نے فرمایا اور کون شخص جابر کے ساتھ جائے گا تو جبار بن صخر رضی اللہ عنہ اُٹھے خیر ہم دونوں آدمی کنویں کی طرف چلے اور حوض میں ایک یا دو ڈول ڈالے پھر اس پر مٹی لگائی اس کے بعد اس میں پانی بھرنا شروع کیا یہاں تک کہ لبالب بھر دیا۔ سب سے پہلے ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دکھلائی دیئے۔ آپ نے فرمایا تم دونوں شخص (مجھ کو پانی پلانے کی اجازت دیتے ہو) ہم نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے اپنی اونٹنی کو چھوڑا اس نے پانی پیا پھر آپ نے اس کی باگ کھینچی اس نے پانی پینا موقوف کیا اور پیشاب کر دیا۔ پھر آپ اس کو الگ لے گئے اور بٹھا دیا۔)

نماز باجماعت کے آداب اور ایک چادر میں نماز کی ادائیگی کا طریقہ

ثُمَّ جَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْحَوْضِ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ ثُمَّ قُمْتُ فَتَوَضَّأْتُ مِنْ مُتَوَضَّإِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَهَبَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ يَقْضِي حَاجَتَهُ فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ وَكَانَتْ عَلَيَّ بُرْدَةٌ ذَهَبْتُ أَنْ أُخَالِفَ بَيْنَ طَرَفَيْهَا فَلَمْ تَبْلُغْ لِي وَكَانَتْ لَهَا ذَبَاذِبُ فَنَكَّسْتُهَا ثُمَّ خَالَفْتُ بَيْنَ طَرَفَيْهَا ثُمَّ تَوَاقَصْتُ عَلَيْهَا ثُمَّ جِئْتُ حَتَّى قُمْتُ عَنْ يَسَارِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ بِيَدِي فَأَدَارَنِي حَتَّى أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ ثُمَّ جَاءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَامَ عَنْ يَسَارِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدَيْنَا جَمِيعًا فَدَفَعَنَا حَتَّى أَقَامَنَا خَلْفَهُ فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْمُقُنِي وَأَنَا لَا أَشْعُرُ ثُمَّ فَطِنْتُ بِهِ فَقَالَ هٰكَذَا بِيَدِهِ يَعْنِي شُدَّ وَسَطَكَ فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا جَابِرُ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ إِذَا كَانَ وَاسِعًا فَخَالِفْ بَيْنَ طَرَفَيْهِ وَإِذَا كَانَ ضَيِّقًا فَاشْدُدْهُ عَلَى حَقْوِكَ۔

(اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حوض کی طرف آئے اور اس میں وضو کیا میں بھی کھڑا ہوا اور جہاں سے آپ نے وضو کیا تھا میں نے بھی وضو کیا۔ جبار بن صخر قضاء حاجت کے لیے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے میرے بدن پر ایک چادر تھی میں اس کے دونوں کناروں کو مخالف سمت میں الٹنے لگا وہ میری پہنچ میں نہیں آئی اس میں پھندنے لگے تھے آخر میں نے اس کو اوندھا کیا پھر اس کے دونوں کنارے الٹے پھر اس کو اپنی گردن پر باندھا اس کے بعد میں آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں

طرف کھڑا ہوا آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور گھمایا اور داہنی طرف کھڑا کیا۔ پھر جبار بن صخر آئے انہوں نے بھی وضو کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں طرف کھڑے ہوئے آپ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑے اور پیچھے ہٹایا یہاں تک کہ ہم کو اپنے پیچھے کھڑا کیا (معلوم ہوا کہ اتنا عمل نماز میں درست ہے) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو گھورنا شروع کیا اور مجھ کو خبر نہیں تھی۔ اس کے بعد خبر ہوئی تو آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اپنی کمر پر (چادر) باندھ لو (تاکہ ستر نہ کھلے) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو کہا اے جابر میں نے عرض کیا حاضر ہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا جب چادر کشادہ ہو تو اس کے دونوں کنارے الٹ لیا کرو اور جب تنگ ہو تو اس کو کمر پر باندھ لیا کرو۔)

رسول و جماعت رسول کی تنگ دستی

سِرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ قُوتُ كُلِّ رَجُلٍ مِنَّا فِي كُلِّ يَوْمٍ تَمْرَةً فَكَانَ يَمَصُّهَا ثُمَّ يَصُرُّهَا فِي ثَوْبِهِ وَكُنَّا نَخْتَبِطُ بِقِسِيِّنَا وَنَأْكُلُ حَتَّى قَرِحَتْ أَشْدَاقُنَا فَأُقْسِمُ أُخْطِئَهَا رَجُلٌ مِنَّا يَوْمًا فَانْطَلَقْنَا بِهِ نَنْعَشُهُ فَشَهِدْنَا أَنَّهُ لَمْ يُعْطَهَا فَأُعْطِيَهَا فَقَامَ فَأَخَذَهَا۔

(جابر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چلے اور ہم میں سے ہر ایک شخص کو خوراک کے لیے ہر روز ایک کھجور ملتی تھی وہ اس کو چوس لیتا پھر اس کو اپنے کپڑے میں رکھ لیتا اور ہم اپنی کمانوں سے درخت کے پتے جھاڑتے اور ان کو کھاتے یہاں تک کہ ہمارے گلپھڑے زخمی ہو گئے (پتے کھاتے کھاتے اس کی گرمی سے اور خشکی سے) میں حلفیہ کہتا ہوں ایک دن ہم میں سے ایک شخص غلطی سے (کھجور لینے سے) رہ گیا ہم (بھوک سے نڈھال) اس شخص کو اٹھا کر لے گئے اور گواہی دی کہ اس کو کھجور نہیں ملی۔ چنانچہ اس کو کھجور دے دی گئی۔ وہ کھڑا ہو گیا اور کھجور لے لی۔)

درختوں کی اطاعت کا معجزہ نبوی

سِرْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى نَزَلْنَا وَادِيًا أَفْيَحَ فَذَهَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْضِي حَاجَتَهُ فَاتَّبَعْتُهُ بِإِدَاوَةٍ مِنْ مَاءٍ فَنَظَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَرَ شَيْئًا يَسْتَتِرُ بِهِ فَإِذَا شَجَرَتَانِ بِشَاطِئِ الْوَادِي فَانْطَلَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى إِحْدَاهُمَا فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا فَقَالَ انْقَادِي عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَالْبَعِيرِ الْمَخْشُوشِ الَّذِي يُصَانِعُ قَائِدَهُ حَتَّى أَتَى الشَّجَرَةَ الْأُخْرَى فَأَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْ أَغْصَانِهَا فَقَالَ انْقَادِي عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَانْقَادَتْ مَعَهُ كَذَلِكَ حَتَّى إِذَا كَانَ بِالْمَنْصَفِ مِمَّا بَيْنَهُمَا لَأَمَ بَيْنَهُمَا يَعْنِي جَمَعَهُمَا فَقَالَ الْتَئِمَا عَلَيَّ بِإِذْنِ اللّٰهِ فَالْتَأَمَتَا قَالَ جَابِرٌ فَخَرَجْتُ أُحْضِرُ مَخَافَةَ أَنْ يُحِسَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُرْبِي فَيَبْتَعِدَ وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ عَبَّادٍ فَيَتَبَعَّدَ فَجَلَسْتُ أُحَدِّثُ نَفْسِي فَحَانَتْ مِنِّي لَفْتَةٌ فَإِذَا أَنَا بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقْبِلًا وَإِذَا الشَّجَرَتَانِ قَدِ افْتَرَقَتَا فَقَامَتْ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا عَلَى سَاقٍ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ وَقْفَةً فَقَالَ بِرَأْسِهِ هَكَذَا وَأَشَارَ أَبُو إِسْمَعِيلَ بِرَأْسِهِ يَمِينًا وَشِمَالًا ثُمَّ أَقْبَلَ۔

(پھر ہم چلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہاں تک کہ ایک کشادہ وادی میں اترے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاجت کو تشریف لے چلے۔ میں ایک ڈول پانی کا لے کر آپ کے پیچھے ہو لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ آڑ نہ پائی دیکھا تو دو درخت وادی کے کنارے پر لگے تھے آپ ایک درخت کے پاس گئے اور اس کی ڈالی پکڑی پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرے تابعدار ہو جاؤ وہ آپ کا تابعدار ہو گیا جیسے وہ اونٹ جس کی ناک میں نکیل دی جاتی

ہے اپنے کھینچنے والے کا تابعدار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ آپ دوسرے درخت کے پاس آئے اور اس کی بھی ایک ڈالی پکڑی پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے میرے تابعدار ہو جاؤ وہ بھی آپ کے ساتھ اسی طرح ہولیا یہاں تک کہ جب آپ ان درختوں کے بالکل درمیان میں پہنچے تو ان کو ایک ساتھ رکھ دیا اور فرمایا دونوں میرے سامنے اللہ تعالیٰ کے حکم سے جڑ جاؤ۔ وہ دونوں درخت جڑ گئے جابر رضی اللہ عنہ نے کہا میں اس ڈر سے دوڑتا ہوا نکلا کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو نزدیک دیکھیں اور دُور تشریف لے جائیں میں اپنے دل میں باتیں کرتا ہوا بیٹھا رہا دفعتہ جو میں نے دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سامنے تشریف لا رہے ہیں اور وہ دونوں درخت جدا ہو کر اپنی جڑ پر کھڑے ہو گئے میں نے دیکھا آپ تھوڑی دیر کھڑے ہوئے اور سر سے اشارہ کیا اس طرح دائیں اور بائیں پھر سامنے کی جانب تشریف لائے۔)

عذاب قبر میں کمی کے لیے تدبیر نبوی

فَلَمَّا انْتَهَى إِلَيَّ قَالَ يَا جَابِرُ هَلْ رَأَيْتَ مَقَامِي قُلْتُ نَعَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ فَانْطَلِقْ إِلَى الشَّجَرَتَيْنِ فَاقْطَعْ مِنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا غُصْنًا فَأَقْبِلْ بِهِمَا حَتَّى إِذَا قُمْتَ مَقَامِي فَأَرْسِلْ غُصْنًا عَنْ يَمِينِكَ وَغُصْنًا عَنْ يَسَارِكَ قَالَ جَابِرٌ فَقُمْتُ فَأَخَذْتُ حَجَرًا فَكَسَرْتُهُ وَحَسَرْتُهُ فَانْذَلَقَ لِي فَأَتَيْتُ الشَّجَرَتَيْنِ فَقَطَعْتُ مِنْ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا غُصْنًا ثُمَّ أَقْبَلْتُ أَجُرُّهُمَا حَتَّى قُمْتُ مَقَامَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلْتُ غُصْنًا عَنْ يَمِينِي وَغُصْنًا عَنْ يَسَارِي ثُمَّ لَحِقْتُهُ فَقُلْتُ قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَعَمَّ ذَاكَ قَالَ إِنِّي مَرَرْتُ بِقَبْرَيْنِ يُعَذَّبَانِ فَأَحْبَبْتُ بِشَفَاعَتِي أَنْ يُرَفَّهَ عَنْهُمَا مَا دَامَ الْغُصْنَانِ رَطْبَيْنِ۔

(جب میرے پاس پہنچے تو فرمایا اے جابر میں جہاں کھڑا تھا کیا تم نے اس جگہ کو دیکھا۔ جابر نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا تو ان دونوں درختوں کے پاس جاؤ اور ہر ایک کی ایک ایک شاخ کاٹو اور ان کو لے آؤ۔ یہاں تک کہ جب اس جگہ پر پہنچو جہاں میں کھڑا ہوا تھا تو ایک شاخ اپنی داہنی طرف ڈال دو اور ایک شاخ بائیں طرف۔ جابر کہتے ہیں میں کھڑا ہوا اور ایک پتھر لیا اس کو توڑا اور تیز کیا وہ تیز ہو گیا پھر ان دونوں درختوں کے پاس آیا اور ہر ایک میں سے ایک ایک شاخ کاٹی پھر میں ان شاخوں کو کھینچتا ہوا اس جگہ پر آیا جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھہرے تھے اور ایک شاخ داہنی طرف ڈال دی اور ایک بائیں طرف پھر آپ سے جا کر مل گیا اور عرض کیا جو آپ نے فرمایا تھا وہ میں نے کیا لیکن اس کی وجہ کیا ہے آپ نے فرمایا میں نے دیکھا وہاں دو قبریں ہیں ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے تو میں نے اپنے (مقام) شفاعت کے سبب چاہا کہ ان کے عذاب میں تخفیف ہو جب تک یہ شاخیں ہری رہیں۔)

پانی کی کثرت کا معجزہ نبوی

قَالَ فَأَتَيْنَا الْعَسْكَرَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا جَابِرُ نَادِ بِوَضُوءٍ فَقُلْتُ أَلَا وَضُوءَ أَلَا وَضُوءَ أَلَا وَضُوءَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا وَجَدْتُ فِي الرَّكْبِ مِنْ قَطْرَةٍ وَكَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يُبَرِّدُ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَاءَ فِي أَشْجَابٍ لَهُ عَلَى حِمَارَةٍ مِنْ جَرِيدٍ قَالَ فَقَالَ لِيَ انْطَلِقْ إِلَى فُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ الْأَنْصَارِيِّ فَانْظُرْ هَلْ فِي أَشْجَابِهِ مِنْ شَيْءٍ قَالَ فَانْطَلَقْتُ إِلَيْهِ فَنَظَرْتُ فِيهَا فَلَمْ أَجِدْ فِيهَا إِلَّا قَطْرَةً فِي عَزْلَاءِ شَجْبٍ مِنْهَا لَوْ أَنِّي أُفْرِغُهُ لَشَرِبَهُ يَابِسُهُ فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي لَمْ أَجِدْ فِيهَا إِلَّا قَطْرَةً فِي عَزْلَاءِ شَجْبٍ مِنْهَا

لَوْ أَنِّي أُفْرِغُهُ لَشَرِبَهُ يَابِسُهُ قَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهِ فَأَتَيْتُهُ بِهِ فَأَخَذَهُ بِيَدِهِ فَجَعَلَ يَتَكَلَّمُ بِشَيْءٍ لَا أَدْرِي مَا هُوَ وَيَغْمِزُهُ بِيَدَيْهِ ثُمَّ أَعْطَانِيهِ فَقَالَ يَا جَابِرُ نَادِ بِجَفْنَةٍ فَقُلْتُ يَا جَفْنَةَ الرَّكْبِ فَأُتِيتُ بِهَا تُحْمَلُ فَوَضَعْتُهَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ فِي الْجَفْنَةِ هَكَذَا فَبَسَطَهَا وَفَرَّقَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ ثُمَّ وَضَعَهَا فِي قَعْرِ الْجَفْنَةِ وَقَالَ خُذْ يَا جَابِرُ فَصُبَّ عَلَيَّ وَقُلْ بِاسْمِ اللَّهِ فَصَبَبْتُ عَلَيْهِ وَقُلْتُ بِاسْمِ اللَّهِ فَرَأَيْتُ الْمَاءَ يَفُورُ مِنْ بَيْنِ أَصَابِعِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ فَارَتِ الْجَفْنَةُ وَدَارَتْ حَتَّى امْتَلَأَتْ فَقَالَ يَا جَابِرُ نَادِ مَنْ كَانَ لَهُ حَاجَةٌ بِمَاءٍ قَالَ فَأَتَى النَّاسُ فَاسْتَقَوْا حَتَّى رَوُوا قَالَ فَقُلْتُ هَلْ بَقِيَ أَحَدٌ لَهُ حَاجَةٌ فَرَفَعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ مِنَ الْجَفْنَةِ وَهِيَ مَلْأَى.

(حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر ہم لشکر میں آئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے جابر لوگوں میں اعلان کرو وضو کریں میں نے آواز دی وضو کرو وضو کرو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قافلہ میں ایک قطرہ پانی کا نہیں ہے اور ایک انصاری شخص تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے لکڑی کی شاخوں پر لٹکتی ایک پرانی مشک میں پانی ٹھنڈا کیا کرتے تھے آپ نے فرمایا اس فلاں انصاری کے پاس جاؤ اور دیکھو اس کی مشک میں کچھ پانی ہے میں گیا دیکھا تو مشک میں سوائے ایک قطرہ کے پانی نہیں ہے اگر اس کو انڈیلوں تو سوکھی مشک اس کو بھی پی لے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ اس مشک میں تو سوائے ایک قطرہ کے (یعنی معمولی مقدار) پانی نہیں ہے اگر میں اس کو انڈیلوں تو سوکھی مشک اس کو بھی پی جائے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اور اس مشک کو میرے پاس لے آؤ میں اس مشک کو لے آیا آپ نے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا پھر زبان سے کچھ فرمانے لگے جس کو میں نہ سمجھا

اور مشک کو اپنے ہاتھ سے دباتے جاتے تھے پھر وہ مشک میرے حوالے کی اور فرمایا اے جابر آواز دے کر قافلہ کا کڑھا منگواؤ (یعنی بڑا ظرف پانی کا) میں نے کڑھے والے صاحب کو آواز دی چنانچہ وہ اُٹھا کر لایا گیا میں نے آپ کے سامنے اس کو رکھ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ اس کڑھے میں اس طرح رکھا کہ ہاتھ پھیلا دیا اور انگلیوں کو کشادہ کیا اور پھر اپنا ہاتھ اس کی تہ میں رکھ دیا اور فرمایا اے جابر وہ مشک لو اور میرے ہاتھ پر ڈال دو اور بسم اللہ کہو میں نے بسم اللہ کہہ کر وہ پانی ڈال دیا پھر میں نے دیکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مار رہا تھا یہاں تک کہ کڑھا جوش مارنے لگا اور گھومنے لگا یہاں تک کہ بھر گیا آپ نے فرمایا اے جابر آواز دو جس کو پانی کی حاجت ہو (وہ آئے) جابر کہتے ہیں لوگ آئے اور پانی پیا یہاں تک کہ سب سیر ہو گئے۔ میں نے کہا (دریافت کیا) کوئی ایسا بھی ہے جس کو پانی کی احتیاج ہو پھر آپ نے اپنا ہاتھ کڑھے میں سے اُٹھا لیا اور وہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔)

مچھلی کی دعوت

وَشَكَا النَّاسُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوعَ فَقَالَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يُطْعِمَكُمْ فَأَتَيْنَا سِيفَ الْبَحْرِ فَزَخَرَ الْبَحْرُ زَخْرَةً فَأَلْقَى دَابَّةً فَأَوْرَيْنَا عَلَى شِقِّهَا النَّارَ فَاطَّبَخْنَا وَاشْتَوَيْنَا وَأَكَلْنَا حَتَّى شَبِعْنَا قَالَ جَابِرٌ فَدَخَلْتُ أَنَا وَفُلَانٌ وَفُلَانٌ حَتَّى عَدَّ خَمْسَةً فِي حِجَاجِ عَيْنِهَا مَا يَرَانَا أَحَدٌ حَتَّى خَرَجْنَا فَأَخَذْنَا ضِلَعًا مِنْ أَضْلَاعِهِ فَقَوَّسْنَاهُ ثُمَّ دَعَوْنَا بِأَعْظَمِ رَجُلٍ فِي الرَّكْبِ وَأَعْظَمِ جَمَلٍ فِي الرَّكْبِ وَأَعْظَمِ كِفْلٍ فِي الرَّكْبِ فَدَخَلَ تَحْتَهُ مَا يُطَأْطِئُ رَأْسَهُ۔

(اور لوگوں نے آپ سے بھوک کی شکایت کی آپ نے فرمایا قریب ہے کہ اللہ تم کو کھلا دے۔ پھر ہم سمندر کے کنارے پر آئے سمندر نے موج ماری اور

ایک جاندار (مچھلی) باہر ڈالی ہم نے اس (سمندر) کے کنارے پر آگ سلگائی اور اس کا گوشت پکایا اور بھونا اور کھایا اور سیر ہوئے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر میں اور فلاں اور فلاں پانچ آدمی اس کی آنکھ کے حلقے میں گھس گئے ہم کو کوئی نہ دیکھ سکتا تھا یہاں تک کہ ہم باہر نکل آئے (یعنی اتنی بڑی مچھلی تھی) پھر ہم نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی لی اور قافلہ میں سے اس شخص کو بلایا جو سب سے بڑا (لمبا) تھا اور سب سے بڑے (بلند) اونٹ پر سوار تھا اور سب سے بڑی (اونچی) زین اس پر تھی وہ اس پسلی کے نیچے سے چلا گیا اپنا سر نہیں جھکایا (اتنی اونچی اس مچھلی کی پسلی تھی۔)

عبادہ بن ولید نے یہاں دو صحابہ کی حدیثوں کا ذکر کیا ہے (۱) صحابی ابوالیسر رضی اللہ عنہ کا قصہ جن کا انتقال ۵۵ھ میں ہوا اور جو بدری صحابہ میں سے سب سے آخر میں وفات پانے والے تھے، (۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث۔

قصہ ابوالیسر

عبادہ جب اپنے والد ولید بن عبادہ کے ہمراہ حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے ملے تو اس وقت ان کے ہمراہ ان کا غلام بھی تھا جس نے کتابوں کا ایک ذخیرہ یا گٹھا اُٹھا رکھا تھا، لباس دونوں کا یکساں تھا، کہ ہر ایک نے ایک دھاری دار چادر اور "معافر" مقام کا ایک کپڑا زیب تن کیا ہوا تھا، اور اس وقت حضرت ابوالیسر کے چہرے پر رنج وملال کے آثار بھی تھے۔ چنانچہ جب ولید نے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ ان کا بنی حرام یا جذامی قبیلہ کے ایک شخص کے ذمہ قرض تھا اور وہ تنگدستی کی وجہ سے ان سے چھپتا پھرتا تھا بالآخر انہوں نے اسے گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا تو اس نے اپنی تنگدستی کا ذکر کیا اور وعدہ خلافی یا غلط بیانی کے اندیشہ کے سبب ان سے نہ ملنے کا عذر بیان کیا، انہوں نے اس پر پختہ خلف لیا اور پھر قرض کی دستاویز کی تحریر اپنے ہاتھ سے مٹا کر اس سے کہا اگر رقم آجائے تو ادا کر دینا ورنہ میرا کوئی مطالبہ نہیں ہے، حضرت ابوالیسر نے اس حسن سلوک کی وجہ رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بتلایا جس کے سننے اور دیکھنے کا سارا منظر ان کے ذہن میں تھا کہ جو شخص کسی تنگ دست کی مہلت دے یا اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے سایہ میں رکھے گا۔

اس ارشاد گرامی میں معاشرے کے فارغ البال افراد کی یہ ذمہ داری بتائی گئی ہے کہ ان سے قرض لینے والا اگر تنگ دست ہو جائے تو پھر اس کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرنا چاہیے یہ نہ ہو کہ اس کا ناطقہ بند کر دیا جائے اور اسے ذہنی اذیت میں مبتلا کر دیا جائے بلکہ معاشرے کے افراد کے باہمی تعلقات، اخوت، ہمدردی اور باہمی تعاون پر مبنی ہونے چاہئیں کہ اگر کوئی کسی مشکل میں گھر جائے تو دیگر افراد اسے اس مشکل سے نکلنے میں مدد دیں تاکہ وہ دوبارہ اپنی انفرادی و اجتماعی سرگرمیوں کا آغاز بھرپور انداز سے کرسکے اور یہی طرزِ عمل ایک درست خطوط پر استوار معاشرہ کا ہوا کرتا ہے کہ وہ تنگدست افراد کے لیے آسانیاں مہیا کرتا ہے اور اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مستضعفین کی سرپرستی کر کے ان کی صلاحیتوں کو زنگ آلود نہ ہونے دے تاکہ وہ بھی زندگی کی دوڑ میں مفید کردار ادا کرسکیں۔

بعد ازیں عبادہ نے حضرت ابوالیسر کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر وہ اپنے غلام کی منقش چادر لے کر اسے معافری کپڑا دے دیتے یا اس کے برعکس کرتے تو دونوں کا جوڑا مکمل ہو جاتا، اس پر حضرت ابوالیسر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث سنائی کہ آپ نے فرمایا کہ اپنے زیر دستوں کو وہی خوراک دو جو تم خود استعمال کرتے ہو اور وہی لباس پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور واضح کیا کہ دنیوی ساز و سامان دینا میرے لیے زیادہ آسان ہے بہ نسبت اس کے وہ قیامت کے روز میری نیکیاں لے جائے، حقیقت یہ ہے کہ معاشرے کے بالائی طبقات اگر انسانیت کے حوالے سے سوچیں تو انصاف کا تقاضہ یہی نظر آئے گا معاشرے کے تمام افراد کی بنیادی ضروریات تو کم از کم مساوی انداز سے پوری ہونی چاہئیں جب کہ طبقاتی

معاشروں میں صاحب وسائل اور وسائل سے محروم افراد کے انداز زیست میں نمایاں فرق ہوتا ہے اور یہ فرق بجائے کم ہونے کے بڑھتا ہی چلا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں وسائل سے محروم نہ صرف یہ کہ اپنی بنیادی ضروریات تک پوری کرنے سے قاصر ہو جاتے ہیں بلکہ ان میں اعلیٰ اخلاق کے لیے سوچنے کی صلاحیت بھی معدوم ہو جاتی ہے اور یوں ان کے شب و روز جانوروں کی مانند گزرنے لگتے ہیں (۱۱۶) جب کہ اسلام ایک غیر طبقاتی معاشرہ وجود میں لاتا ہے جس میں افرادِ معاشرہ، افرادِ خاندان کی مانند گزر بسر کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ باہمی تعاون سے معاشرہ کو ترقی کی منزل سے ہم کنار کرتے ہیں۔

الغرض حضرت ابوالیسر رضی اللہ عنہ سے مروی دونوں احادیث کی روح یہی ہے کہ اسلام باہمی تعاون، اخوت و مساوات پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کا داعی ہے، اور یہی اس کی حقیقی شناخت ہے۔

حدیث جابر رضی اللہ عنہ

بعد ازیں عبادہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے پاس گے تو انہیں ایک کپڑے میں لپٹا ہوا نماز پڑھتے دیکھا تو یہ لوگوں کو پھاندتے ہوئے ان کے اور قبلہ کے درمیان جا بیٹھے، فارغ ہونے پر انہوں نے ایک کپڑے میں نماز پڑھنے کا سبب دریافت کیا، شاید ان کا پھاند کر آگے بیٹھنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو اچھا نہیں لگا اس لیے بطور تادیب انہیں احمق کا لقب دیا (۱۱۷) پھر انہوں نے اس موقع پر متعدد احادیث بھی بیان کیں۔

(۱) رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں بلغم کا نشان دیکھ کر ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ سامنے اور دائیں جانب نہ تھوکا جائے بلکہ اگر ضرورت پیش آ ہی جائے تو مسجد کچی ہونے کی صورت میں بائیں جانب بائیں پاؤں کے نیچے تھوکا جائے اور اگر بلغم کے جلد نکلنے کا اندیشہ ہو تو کپڑے میں تھوک کر اسے

لپیٹ دیا جائے، آج کل چونکہ مساجد پختہ بن گئی ہیں اس لیے شدید تقاضے کی صورت میں ایسا ہی کیا جائے، پھر آپ نے خوشبو منگوا کر اسے لکڑی کی نوک پر لگایا اور پھر اس کے ذریعہ بلغم کی نشان کی جگہ پر خوشبو لگائی۔

اس ارشاد اور آپ کے عمل سے مسجد کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ چونکہ وہ مسلمانوں کا روحانی اور معاشرتی مرکز ہے اور تجلیات الٰہی کا مقام ہے اس لیے اسے صاف اور خوشبو دار ہونا چاہیے لہٰذا کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہونا چاہیے جس سے لوگوں کو گھن اور فرشتوں کو تکلیف ہو اور اس طرح مسجد کا تقدس مجروح ہو۔ نیز مسجد کی پاکیزگی اور نفاست و طہارت کو معاشرے کی پاکیزگی کا عنوان ہونا چاہیے۔

(۲) غزوۂ بطن بواط کا ذکر ہے، بواط شام کے راستے میں جحفہ کے قریب جہینہ کے پہاڑوں میں سے ایک دوشاخہ پہاڑ ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسو صحابہ کے ہمراہ ہجرت کے تیرھویں مہینہ میں ربیع الاول کے دوران مجدی بن عمرو جہنی اور اس کے گروہ کے تعاقب میں نکلے تھے لیکن دشمن ہاتھ نہ آنے پر آپ واپس آگئے تھے (۱۱۸) چونکہ ہجرت کے ابتدائی ماہ تھے اس لیے مسلمان تنگ دستی کی حالت میں تھے چنانچہ ایک اونٹ پر باری باری پانچ سے سات افراد تک سوار ہوتے تھے، ایک انصاری اپنی باری پر اونٹ پر سوار ہوئے تو اس اونٹ نے کچھ سرکشی دکھائی تو انھوں نے اسے ڈانٹا اور اس موقع پر زبان سے لعنت کے الفاظ بھی نکل گئے آپ نے یہ سن کر فوراً انہیں اونٹ سے اترنے کا حکم دیا اور فرمایا کبھی بھی اپنے لیے اپنی اولاد کے لیے اور اپنے مال و متاع کے لیے بددعا نہ کرو، ہوسکتا ہے کہ وہ ساعت دعا کی قبولیت کی ہو۔

حدیث میں ایک معاشرتی ادب کی تعلیم ہے، عموماً اس سلسلے میں بے احتیاطی برتی جاتی ہے کہ پریشان کن حالات میں اپنے خلاف بددعاء کے الفاظ منہ سے نکالے جاتے ہیں اپنے آپ کو کوسا جاتا ہے اور اولاد کے خلاف بددعائیہ کلمات کہے

جاتے ہیں، ایسے مواقع پر صبر وضبط سے کام لینا ضروری ہے نیز دیگر ذرائع سے مشکلات حل کرنے کی تدابیر سوچنی چاہئیں تاکہ بعد میں زندگی مستقل ندامت اور پچھتاوے کے احساس سے عذاب نہ بن جائے۔ حدیث میں نامناسب جملہ کی ادائیگی میں ارادی اور غیر ارادی کا فرق مد نظر نہیں رکھا گیا گویا بطور تکیہ کلام بھی اس قسم کے جملہ کی گنجائش نہیں۔

(۳) اسی سفر میں صحابہ شام کے وقت پانی کے ایک مقام کے قریب ہونے لگے تو آپ نے لشکر کی سہولت کے لیے حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت جبار بن صخرہ رضی اللہ عنہم کو آگے روانہ کر دیا تاکہ وہ پانی پلانے کے انتظامات کر سکیں اس سے آپ کی پیش بینی اور قائدانہ صلاحیتوں پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ آپ نے پورے لشکر کے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کے لیے منظم انداز سے پانی پینے کا بندوبست کیا، چنانچہ دونوں حضرات نے جاکر حوض کو درست کیا اور اسے پانی سے بھر دیا۔ آپ جب وہاں پہنچے تو باوجود یہ کہ آپ کے حکم اور اجازت پر دونوں حضرات آئے تھے آپ نے ان سے اصولی طور پر اونٹنی کو پانی پلانے کی باقاعدہ اجازت طلب کی کیونکہ پانی کے معاملات کی نگرانی ان دونوں حضرات کے سپرد کی گئی تھی اس لیے اس میں ان کی اجازت ضروری تھی گویا جب کسی معاملہ کو طے کرنے کے لیے کسی شخص یا اشخاص کو ذمہ داری تفویض کی جائے تو پھر قائد کو بھی اس سلسلے میں ان سے اجازت طلب کرنی چاہیے تاکہ کسی قسم کی بد نظمی رونما نہ ہو اور متعلقہ افراد اپنے فرائض بغیر کسی دباؤ کے احسن طریقے سے انجام دے سکیں (۱۱۹) چنانچہ اجازت ملنے پر آپ نے اپنی سواری کو پانی پلایا۔

(۴) بعد ازیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کر کے نماز شروع کی تو حضرت جابر بھی اپنی ایک نسبتاً چھوٹی چادر کو گردن پر باندھ کر آپ کے بائیں طرف کھڑے ہو گئے، آپ نے انہیں دائیں طرف کھڑا کیا بعد ازاں حضرت جبار بن

صخرہ بھی آگئے اور وہ بائیں طرف کھڑے ہوگے، آپ نے دونوں کو پیچھے کھڑا کردیا، گویا اس حدیث سے امام کی اقتداء کا طریقہ معلوم ہوا، نماز سے فارغ ہوکر آپ نے حضرت جابرؓ سے ایک چادر میں نماز پڑھنے سے متعلق فرمایا کہ اس طرح مشکل میں پڑنے کی بجائے اگر چادر وسیع ہو تو اس کے دونوں کناروں کو مخالف سمتوں میں الٹ دیا جائے اور اگر تنگ ہو تو اسے بجائے گردن پر باندھنے کے کمر پر باندھ لیا جائے، اس سے حضرت عبادہ کو بھی اپنے سوال کا جواب مل گیا جو انہوں نے ابتداء میں حضرت جابر سے کیا تھا، جب حضرت جابر ایک ہی چادر میں لپٹ کر نماز ادا کر رہے تھے۔

(۵) صحابہ کرام، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت اور ہمراہی میں اس حالت میں چلے کہ ان میں سے ہر ایک کی یومیہ خوراک صرف ایک کھجور تھی کہ اسے چوس کر کپڑے میں رکھ لیتے اور کمانوں سے درختوں کے پتے جھاڑ کر کھاتے یہاں تک کہ ان کے گلپھڑے زخمی ہوگئے پھر انہوں نے اسی ذیل میں ایک صحابی کے کھجور کی تقسیم سے رہ جانے کا ذکر کیا، اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے انتہائی مشکلات کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیا لیکن اپنے عقائد و نظریات پر کسی قسم کی مصالحت یا سودے بازی نہیں کی چنانچہ ان کی قربانیوں کے بدولت ہی دنیا کے ایک ارب سے زائد افراد آج دائرہ اسلام میں ہیں کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ تن آسانی اور غفلت شعاری سے کبھی کوئی معاشرہ ترقی نہیں کر سکا ہے۔ آج بھی معاشرے کو بنیادی تبدیلی سے روشناس کرانے کا جذبہ رکھنے والی اجتماعیت اسی صورت میں کامیابی سے ہم کنار ہو سکتی ہے جب وہ ہر قسم کی معاشی، معاشرتی اور سیاسی مشکلات سے عہدہ برآ ہونے اور بہر قیمت ترک جدوجہد کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت سے مالامال ہو۔

(۶) بعدازیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو معجزات ذکر کیے، پہلا معجزہ تو یہ تھا کہ جب آپ نے قضاء حاجت کا ارادہ کیا تو کوئی آڑ نہ ہونے کی وجہ سے وادی کی دو مختلف سمتوں سے دو درختوں کو ان کی شاخوں سے پکڑ کر درمیان میں لے آئے اور انہیں مل جانے کا حکم دیا پھر آپ حاجت سے فارغ ہوئے جس کے بعد دونوں درخت اپنی اپنی جگہ پر چلے گئے، بعدازیں آپ نے حضرت جابر سے فرمایا کہ وہ ان درختوں سے ایک ایک شاخ کاٹ کر اس جگہ جہاں آپ تھے، جاکر ایک شاخ دائیں طرف اور دوسری شاخ بائیں طرف ڈال دیں تاکہ جب تک وہ سرسبز رہیں وہاں پر موجود قبر والوں کے عذاب میں کمی رہے۔

اس حدیث سے عذاب قبر کا ثبوت نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رحمت کا اظہار ہوتا ہے۔

(۷) دوسرے معجزے کا ظہور اس وقت ہوا جب آپ کے کہنے پر حضرت جابر نے لشکر والوں کو وضو کرنے کے لیے کہا تو اس وقت کسی کے پاس پانی موجود نہیں تھا، صرف ایک انصاری صحابیؓ کے پاس ایک پرانے مشکیزہ میں اتنی کم مقدار میں پانی تھا کہ اگر اسے انڈیلا جاتا تو مشکیزہ کا خشک حصہ ہی اسے جذب کر لیتا، اس صورت حال میں جب حضرت جابرؓ نے آپ کو آگاہ کیا تو آپ نے وہ مشکیزہ منگوایا اور پھر آپ کچھ کلمات پڑھنے لگے اور ساتھ ہی اسے دبانے لگے پھر آپ نے لشکر کا سب سے بڑا برتن (کڑھا) طلب کیا، اس میں پہلے ہاتھ پھیرا اور پھر ہاتھ پھیلا کر اور انگلیاں کشادہ کر کے اس کی تہہ میں اپنا ہاتھ رکھ دیا اور حضرت جابر سے فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر وہ مشکیزہ میرے ہاتھ پر انڈیل دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا تو پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے جوش مارنے لگا حتی کہ وہ برتن بھر گیا اور تمام قافلہ پانی سے سیر ہو گیا۔

معجزہ کی حقیقت کے متعلق سب سے زیادہ مشہور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے عادی نظام کے خلاف صرف اپنی قدرت سے ظاہر فرماتا ہے تاکہ یہ بات ثابت کرے کہ نوامیس طبیعیہ خود اس کے محکوم ہیں، وہ ان کا محکوم نہیں جس طرح وہ چاہے ان میں تصرف کر سکتا ہے۔(۱۲۰)

درحقیقت ہمارے اس نظام عادی (معمول کے مطابق نظام کائنات) اور خارق عادت (معجزات وغیرہ) میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے پس جو نظام ابتداء عالم سے محض قدرت کی فیاضی سے ہمارے مشاہدے میں چلا آتا ہے ہم اس کو "نظام مادی" سے تعبیر کرنے لگتے ہیں اور اسی کا نام "نوامیس طبیعیہ" رکھ دیتے ہیں۔ اگر ابتداء سے عالم کی عادت اس کے برعکس ہوتی تو اسی کو ہم نظام عادی کہنے لگتے گو عادی اور غیر عادی کا فرق خالق کی نظر میں کچھ نہیں صرف ہمارے تجربے اور مشاہدے کا فرق ہے تاہم قدرت ہمارے تجربات و مشاہدات کے برعکس بھی انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر ہمیشہ ایسے افعال ظاہر کرتی رہی ہے جن کو ہم بھی خارق عادت سمجھتے ہیں حالانکہ کائنات میں اعلیٰ ترین شخصیات کے ذریعہ ہمیشہ ایسے افعال کا نمودار ہوتے رہنا عالم کی "عادت" میں داخل ہے لہٰذا خارق عادت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ دنیا کی روزمرہ کی عادت نہیں بلکہ خاص خاص زمانے اور خاص خاص افراد کے دَور کی عادت ہے۔(۱۲۱)

(۸) صحابہ کرام نے آپ سے بھوک کی شکایت کی تو آپ نے تسلی دی کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری خوراک کا انتظام کر دے گا، چنانچہ جب سمندر کے کنارے پر پہنچے تو سمندر کی لہروں نے ایک نہایت غیر معمولی بڑی مچھلی کو باہر لا پھینکا، صحابہ نے اس کا گوشت بھون کر کھایا، وہ اس قدر بڑی ڈیل ڈول کی تھی کہ اس کی آنکھ کے حلقے میں باآسانی کئی آدمی چھپ سکتے تھے جب کہ اس کی پسلی کی ہڈی اس قدر دراز تھی کہ بڑے قد کے اونٹ پر اونچی زین کس کر ایک طویل القامت شخص کو بٹھا کر

اس کے نیچے سے گزارا گیا تو بھی اسے سر جھکانے کی ضرورت نہیں پڑی، گویا اس مچھلی کا مل جانا ان مع العسر یسرا کی ایک جھلک تھی۔

واقعہ ہجرت

حَدَّثَنِي سَلَمَةُ بْنُ شَبِيبٍ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ أَعْيَنَ حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ حَدَّثَنَا أَبُو إِسْحَقَ قَالَ سَمِعْتُ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَقُولُ جَاءَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ إِلَى أَبِي فِي مَنْزِلِهِ فَاشْتَرَى مِنْهُ رَحْلًا فَقَالَ لِعَازِبٍ ابْعَثْ مَعِيَ ابْنَكَ يَحْمِلْهُ مَعِي إِلَى مَنْزِلِي فَقَالَ لِي أَبِي احْمِلْهُ فَحَمَلْتُهُ وَخَرَجَ أَبِي مَعَهُ يَنْتَقِدُ ثَمَنَهُ فَقَالَ لَهُ أَبِي يَا أَبَا بَكْرٍ حَدِّثْنِي كَيْفَ صَنَعْتُمَا لَيْلَةَ سَرَيْتَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ أَسْرَيْنَا لَيْلَتَنَا كُلَّهَا حَتَّى قَامَ قَائِمُ الظَّهِيرَةِ وَخَلَا الطَّرِيقُ فَلَا يَمُرُّ فِيهِ أَحَدٌ حَتَّى رُفِعَتْ لَنَا صَخْرَةٌ طَوِيلَةٌ لَهَا ظِلٌّ لَمْ تَأْتِ عَلَيْهِ الشَّمْسُ بَعْدُ فَنَزَلْنَا عِنْدَهَا فَأَتَيْتُ الصَّخْرَةَ فَسَوَّيْتُ بِيَدِي مَكَانًا يَنَامُ فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي ظِلِّهَا ثُمَّ بَسَطْتُ عَلَيْهِ فَرْوَةً ثُمَّ قُلْتُ نَمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَأَنَا أَنْفُضُ لَكَ مَا حَوْلَكَ فَنَامَ وَخَرَجْتُ أَنْفُضُ مَا حَوْلَهُ فَإِذَا أَنَا بِرَاعِي غَنَمٍ مُقْبِلٍ بِغَنَمِهِ إِلَى الصَّخْرَةِ يُرِيدُ مِنْهَا الَّذِي أَرَدْنَا فَلَقِيتُهُ فَقُلْتُ لِمَنْ أَنْتَ يَا غُلَامُ فَقَالَ لِرَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ قُلْتُ أَفِي غَنَمِكَ لَبَنٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ أَفَتَحْلُبُ لِي قَالَ نَعَمْ فَأَخَذَ شَاةً فَقُلْتُ لَهُ انْفُضْ الضَّرْعَ مِنْ الشَّعَرِ وَالتُّرَابِ وَالْقَذَى قَالَ فَرَأَيْتُ الْبَرَاءَ يَضْرِبُ بِيَدِهِ عَلَى الْأُخْرَى يَنْفُضُ فَحَلَبَ لِي فِي قَعْبٍ مَعَهُ كُثْبَةً مِنْ لَبَنٍ قَالَ وَمَعِي إِدَاوَةٌ أَرْتَوِي فِيهَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَشْرَبَ مِنْهَا وَيَتَوَضَّأَ قَالَ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَرِهْتُ أَنْ أُوقِظَهُ مِنْ نَوْمِهِ فَوَافَقْتُهُ اسْتَيْقَظَ فَصَبَبْتُ عَلَى اللَّبَنِ مِنْ الْمَاءِ حَتَّى بَرَدَ أَسْفَلُهُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ

اشْرَبْ مِنْ هٰذَا اللَّبَنِ قَالَ فَشَرِبَ حَتّٰى رَضِيتُ ثُمَّ قَالَ أَلَمْ يَأْنِ لِلرَّحِيلِ قُلْتُ بَلٰى قَالَ فَارْتَحَلْنَا بَعْدَمَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَاتَّبَعَنَا سُرَاقَةُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ وَنَحْنُ فِي جَلَدٍ مِنَ الْأَرْضِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أُتِينَا فَقَالَ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَدَعَا عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَارْتَطَمَتْ فَرَسُهُ إِلٰى بَطْنِهَا أُرٰى فَقَالَ إِنِّي قَدْ عَلِمْتُ أَنَّكُمَا قَدْ دَعَوْتُمَا عَلَيَّ فَادْعُوَا لِي فَاللّٰهُ لَكُمَا أَنْ أَرُدَّ عَنْكُمَا الطَّلَبَ فَدَعَا اللّٰهَ فَنَجَا فَرَجَعَ لَا يَلْقٰى أَحَدًا إِلَّا قَالَ قَدْ كَفَيْتُكُمْ مَا هَاهُنَا فَلَا يَلْقٰى أَحَدًا إِلَّا رَدَّهُ قَالَ وَوَفٰى لَنَا.

(حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے والد (عازب) کے مکان پر آئے اور ان سے ایک کجاوہ خرید اور عازب رضی اللہ عنہ سے بولے تم اپنے بیٹے سے کہو یہ کجاوہ اُٹھا کر میرے ساتھ میرے مکان تک چلے میرے باپ نے مجھ سے کہا، کجاوہ اُٹھا لو میں نے اُٹھا لیا اور میرے والد بھی حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ اس کی قیمت لینے کے لیے نکلے، میرے باپ نے کہا اے ابو بکر مجھ سے بیان کیجیے آپ نے کیا کیا اس رات کو جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ باہر نکلے (یعنی مدینہ کی طرف ہجرت کی) ابو بکر نے کہا ہاں ہم ساری رات چلے یہاں تک کہ دن ہو گیا اور ٹھیک دوپہر کا وقت ہوا اور راہ میں کوئی چلنے والا نہ رہا۔ ہم کو سامنے ایک طویل چٹان دکھائی دی جس کا زمین پر سایہ تھا اور اب تک وہاں دھوپ نہ آئی تھی ہم اس کے قریب اترے میں پتھر کے پاس گیا اور اپنے ہاتھ سے جگہ درست کی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سایہ میں آرام فرمائیں پھر میں نے وہاں کملی بچھائی اس کے بعد میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سو رہیے اور میں آپ کے گرد سب طرف دشمن کا کھوج لیتا ہوں۔ پھر اچانک میں ایک بکریوں کے چرواہے کے سامنے تھا جو اپنی بکریوں کے ساتھ اس چٹان کی طرف اسی ارادہ

سے آرہا تھا جس ارادہ سے ہم آئے تھے (یعنی ستانے اور آرام کرنے کے لیے) چنانچہ میں اس سے ملا اور اس سے کہا (پوچھا) اے لڑکے تم کس کے (ملازم) ہو؟ اس سے کہا اہلِ مدینہ میں سے ایک آدمی کا، میں نے کہا (پوچھا) کیا تمہاری بکریوں میں دودھ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں میں نے کہا کیا تم میرے لیے دودھ دوہ دو گے؟ اس نے کہا جی ہاں پھر اس نے ایک بکری لی تو میں نے اس سے کہا تھن سے بال، مٹی اور گندگی جھاڑ دو (ابواسحاق) کہتے ہیں میں نے براء کو جھاڑنے کے لیے ہاتھ ایک دوسرے پر مارتے دیکھا، پھر اس (لڑکے) نے میرے لیے اپنے پاس موجود لکڑی کے برتن میں دودھ کی ایک مقدار نکالی اور میرے پاس ایک مشکیزہ تھا جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے میں پانی محفوظ رکھا کرتا تھا تاکہ آپ اس سے پی سکیں اور وضو کر سکیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، میں نے آپ کو نیند سے بیدار کرنا برا سمجھا تو میں نے آپ کی ہم نوائی کی (یعنی آرام کیا) جب آپ بیدار ہوئے تو میں نے دودھ پر پانی انڈیلا یہاں تک کہ اس کا زیریں حصہ (یعنی اچھی طرح) ٹھنڈا ہو گیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دودھ پی لیں آپ نے پی لیا یہاں تک کہ میں خوش ہو گیا پھر آپ نے کہا کیا کوچ کا وقت نہیں آیا میں نے عرض کیا کیوں نہیں، ہم نے سورج ڈھلنے کے بعد کوچ کیا تو سراقہ بن مالک ہمارے تعاقب میں آ نکلا۔ ہم پتھریلی زمین میں (سفر کر رہے) تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں آن لیا گیا، آپ نے فرمایا، غم مت کرو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے خلاف دعا مانگی تو اس کے گھوڑے کے پاؤں پیٹ تک دھنس گئے (زمین میں) تو وہ کہنے لگا میں جانتا ہوں تم دونوں نے میرے خلاف بد دعا کی ہے۔ لہٰذا میرے لیے دعا کرو، میرے ذمے ہے کہ تمہاری تلاش میں نکلنے والوں کو واپس لوٹا دوں گا۔ آپ نے اللہ سے دعا کی تو اس کو نجات ملی پھر وہ لوٹ گیا (راستے میں) جس سے بھی ملتا، کہتا، میں تمہاری

طرف سے کافی ہو چکا ہوں ادھر کوئی نہیں ہے، وہ جس سے بھی ملتا، اسے واپس لوٹا دیتا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، اس نے ہمارے ساتھ کیا ہوا وعدہ نبھایا۔)

و حَدَّثَنِيهِ زُهَيْرُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ ح و حَدَّثَنَاه إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ أَخْبَرَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ كِلَاهُمَا عَنْ إِسْرَائِيلَ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ عَنْ الْبَرَاءِ قَالَ اشْتَرَى أَبُو بَكْرٍ مِنْ أَبِي رَحْلًا بِثَلَاثَةَ عَشَرَ دِرْهَمًا وَسَاقَ الْحَدِيثَ بِمَعْنَى حَدِيثِ زُهَيْرٍ عَنْ أَبِي إِسْحٰقَ و قَالَ فِي حَدِيثِهِ مِنْ رِوَايَةِ عُثْمَانَ بْنِ عُمَرَ فَلَمَّا دَنَا دَعَا عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاخَ فَرَسُهُ فِي الْأَرْضِ إِلَى بَطْنِهِ وَوَثَبَ عَنْهُ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ هَذَا عَمَلُكَ فَادْعُ اللَّهَ أَنْ يُخَلِّصَنِي مِمَّا أَنَا فِيهِ وَلَكَ عَلَيَّ لَأُعَمِّيَنَّ عَلَى مَنْ وَرَائِي وَهَذِهِ كِنَانَتِي فَخُذْ سَهْمًا مِنْهَا فَإِنَّكَ سَتَمُرُّ عَلَى إِبِلِي وَغِلْمَانِي بِمَكَانِ كَذَا وَكَذَا فَخُذْ مِنْهَا حَاجَتَكَ قَالَ لَا حَاجَةَ لِي فِي إِبِلِكَ فَقَدِمْنَا الْمَدِينَةَ لَيْلًا فَتَنَازَعُوا أَيُّهُمْ يَنْزِلُ عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَنْزِلُ عَلَى بَنِي النَّجَّارِ أَخْوَالِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أُكْرِمُهُمْ بِذَلِكَ فَصَعِدَ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ فَوْقَ الْبُيُوتِ وَتَفَرَّقَ الْغِلْمَانُ وَالْخَدَمُ فِي الطُّرُقِ يُنَادُونَ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ يَا مُحَمَّدُ يَا رَسُولَ اللَّهِ۔

(حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میرے والد سے تیرہ درہم میں اونٹ خریدا، اسرائیل (راوی حدیث) نے (اس کے بعد اسی طرح) حدیث بیان کی جیسے ابو اسحاق سے زہیر کی روایت میں ہے (اس نے اپنی حدیث میں بروایت) عثمان بن عمر یہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے کہا (بتایا) جب وہ (سراقہ) قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا کی تو اس کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا اور وہ اس پر سے کود پڑا اور کہنے لگا اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے یقینی طور پر جان لیا

کہ یہ آپ کا کام ہے لہٰذا اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے اس کیفیت سے نجات دے جس میں مَیں (مبتلا) ہوا ہوں اور آپ کی طرف سے مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے پیچھے (آنے) والوں کو اندھیرے میں رکھوں گا (یعنی تعاقب میں آنے والوں کو واپس لوٹا دوں گا) اور یہ میرا ترکش ہے، اس میں سے ایک تیر (بطور نشانی) لے لیں، آپ عنقریب فلاں فلاں مقام پر میرے اونٹوں اور میرے ملازموں کے پاس سے گزریں گے، وہاں سے (نشانی دکھا کر) اپنی ضرورت کے مطابق (جو اونٹ چاہیں) لے لیں، آپ نے فرمایا مجھے تمہارے اونٹوں کی ضرورت نہیں (آپ کی دعاء سے اسے آزمائش سے نجات ملی اور واپس چلا گیا) پھر ہم رات کو مدینہ آئے تو (وہاں کے) لوگ آپس میں جھگڑنے لگے کہ کس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فروکش ہوں گے، آپ نے فرمایا میں (دادا) عبدالمطلب کے ممیال بنو نجار کے ہاں اتروں گا تاکہ اس کے ذریعہ ان کی عزت افزائی کروں، سو گھروں پر مرد اور عورتیں چڑھ گئے اور راستوں میں لڑکے اور خادم یہ صدا بلند کرتے ہوئے بکھر گئے اے محمد اے اللہ کے رسول اے محمد اے اللہ کے رسول (ہم آپ پر قربان)۔

احادیث میں خلیفہ اول حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں جب آپ کی شب و روز کی مسلسل محنت سے آپ کے ہم نوا افراد کی ایک مختصر جماعت تیار ہو گئی اور دوسری طرف مکہ کے سرداروں کی طرف سے آپ کو قتل کرنے کی سازشیں ہونے لگیں تو آپ نے ہجرت کی اور مدینہ آکر آپ نے اسی مقصد کو آگے بڑھایا اور اپنے صحابہ کی اعانت سے حکومت تشکیل دے دی، درحقیقت آپ کی مکی و مدنی دونوں زندگیوں کا محور ایک ہی تھا بلکہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ تو دونوں پر خلافت کا اطلاق کرتے ہیں، مکی زندگی میں افراد سازی کی محنت کو وہ خلافت باطنہ اور مدنی زندگی میں حکومت سازی کے عمل کو خلافت ظاہرہ قرار دیتے ہیں (۱۲۲) لہٰذا مستشرقین کا

یہ کہنا خلاف حقیقت ہے کہ "آپ مکہ میں مسکینی کی زندگی بسر کرتے رہے مگر مدینہ پہنچتے ہی حالات کچھ سازگار ہوئے تو (نعوذ باللہ) کھل کھیلے اور قافلے لوٹنا شروع کر دیئے اور رفتہ رفتہ ایک ریاست کے مالک بن بیٹھے" گویا اس کا مفہوم تو یہ ہوا کہ آپ کوئی مستقل فکر لے کر نہیں آئے تھے بلکہ آپ کے خیالات محض موقع اور حالات کی پیداوار تھے حالانکہ آپ کے فکر کی ابتداء مکہ مکرمہ میں ہوئی، وہیں اس نے پھلنا پھولنا شروع کر دیا اور مدینہ منورہ آکر وہ ایک تناور درخت بن گیا، جہاں تک مدنی زندگی میں قتال و جہاد کا ذکر ہے تو اس سے مکی زندگی میں ہی آگاہ کر دیا گیا تھا جیسا کہ سورہ مزمل میں اس کا ذکر ملتا ہے جو مکہ مکرمہ میں بالکل ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی۔ الغرض رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ایک اکائی کی مانند باہم مربوط ہے، اور ہجرت ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں داخل ہونے کا عمل ہے۔

اس حدیث میں ایک معجزے کا بھی ذکر ہے کہ سراقہ بن مالک جو آپ کے تعاقب میں تھا جب آپ کے قریب ہوا تو سخت زمین کے باوجود اس کا گھوڑا پیٹ تک دھنس گیا اور پھر اس کی درخواست پر آپ نے دعا کی تو اسے اس مشکل سے نجات ملی اور نجات پاتے ہی وہ الٹے پاؤں فرار ہوا۔

علاوہ ازیں اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشکل گھڑی میں آپ کا پورا پورا ساتھ دیا اور پوری جاں نثاری سے آپ کی خدمت کی، قرآن حکیم نے "صاحبہ" کا اطلاق ان پر ہی کیا ہے (۱۲۳) جس سے ان کے شرف صحابیت کا قطعی اور یقینی ہونا ظاہر ہوتا ہے لہٰذا قرآن حکیم پر ایمان لانے کے تقاضے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کے صحابی رسول ہونے کو دل و جان سے تسلیم کیا جائے۔

حدیث بالا سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق باللہ کی انتہائی منزل کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مشکل ترین وقت میں بھی آپ کو اللہ پر مکمل

اعتماد تھا، اسی کو توکل کہتے ہیں کہ حاصل شدہ مادی اسباب کو کام میں لایا جائے (۱۲۴) لیکن اپنے آپ کو ان کے ساتھ اس طرح وابستہ نہ کیا جائے کہ جب تک مکمل اسباب حاصل نہ ہوں کوئی قدم نہ اُٹھایا جائے بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھ کر کام شروع کیا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ جوں جوں ضرورت پڑتی جائے گی، اللہ تعالیٰ اسباب مہیا کرتا جائے گا۔

حدیث سے انصاری صحابہ کی فضیلت اور ان کے مقام پر بھی روشنی پڑتی ہے نیز سفر کا یہ سلیقہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں پانی پینے اور وضو وغیرہ کے لیے پانی کا کوئی نہ کوئی ظرف ہمراہ رکھا جائے (۱۲۵)۔

حدیث ہجرت کو احادیث زہد کے ضمن میں ذکر کر کے اس حقیقت کی نشان دہی کی گئی ہے کہ ہجرت ظاہری اسی صورت میں قابل قدر ہے جب وہ زہد کے جذبہ سے ہو یعنی مفاد پرستی، جاہ پرستی اور اس نوعیت کے دیگر جذبات سے آلودہ نہ ہو اس میں اعلیٰ مقاصد کا حصول پیش نظر ہو نیز وہ سفر علی وجہ البصیرت اور بیدار حکمت عملی کے تحت اختیار کیا جائے۔

ہجرت کے واقعہ پر زہد کے باب کی تکمیل اس امر کی نشان دہی کرتی ہے کہ جو شخص اس دنیا میں زہد کی زندگی بسر کرے گا وہی آخرت کے لیے ہجرت کا سفر کامیابی سے طے کرے گا۔ اللھم اجعلنا فیھم۔

حوالہ جات

۱۔ بلیاوی: مصباح اللغات، ص ۳۲۴۔

۲۔ علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۱۸۱۔

۳۔ علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۲۰۸۔

۴۔ القرآن، الفرقان: ۶۲۔

۵۔ مفتی محمد شفیع: معارف القرآن، ج ۶، ص ۴۸۱۔

۶۔ دمشقی: النفحات السّلفیہ بشرح الاحادیث القدسیہ، ص ۱۵۵۔

۷۔ علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۲۲۲۔

۸۔ دمشقی: النفحات السّلفیہ، ص ۱۵۴۔

۹۔ القاری: مرقاۃ المفاتیح، ج ۱۰، ص ۳۴۔

۱۰۔ القرآن: الجمعہ، ۱۰۔

۱۱۔ الخطیب: مشکاۃ المصابیح، ص ۲۴۲۔

۱۲۔ الخطیب: مشکاۃ المصابیح، ص ۴۵۰۔

۱۳۔ القاری: مرقاۃ المفاتیح، ج ۱۰، ص ۴۱۔

۱۴۔ الخطیب: مشکاۃ المصابیح، ص ۴۵۱۔

۱۵۔ علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۲۳۹۔

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۲۳۸۔

۱۸۔ علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۲۳۹۔

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ القاری: مرقاۃ المفاتیح، ج ۹، ص ۳۴۸، ایضاً، ج ۱۰، ص ۱۴۔

۲۱۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۲۸۵۔

۲۲۔ القرآن، الاعراف: ۳۲۔

۲۳۔ القرآن، البقرۃ: ۲۹۔

۲۴۔ القرآن، البقرہ: ۲۰۱۔

۲۵۔ القرآن، الجمعہ: ۱۰۔

۲۶۔ الغزالی: احیاء علوم الدین، ج ۲، ص ۴۱۔

۲۷۔ علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۲۳۸۔

۲۸۔ سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۴۱۔

۲۹۔ سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۴۰، ۱۳۹۔

۳۰۔ دہلوی: حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۱۰۶، ۱۰۵۔

۳۱۔ القرآن، البقرہ: ۹۰، ۲۴۷، آل عمران: ۱۸۰، المائدہ: ۱۸، ۴۲، ۶۲ تا ۶۴۔

۳۲۔ ابن عابدین: حاشیہ ردالمحتار ج ۴، ص۱۴۸، طبری: تاریخ الامم والملوک، ج ۳، ص۱۸۶۔

۳۳۔ علی المتقی: کنزالعمال، ج ۳، ص ۷۴، ج ۴ ص۲۱، الغزالی: احیاء علوم الدین ج ۲، ص۷۹۔

۳۴۔ علی المتقی: کنزالعمال، ج ۳، ص۱۹۶۔

۳۵۔ راغب: المفردات فی غریب القرآن، ص۱۱۶، باب الحاء۔

۳۶۔ نووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص۴۰۷۔

۳۷۔ نووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص۴۰۸۔

۳۸۔ الخطیب: مشکاۃ المصابیح، ص۴۴۸۔

۳۹۔ آزاد: ترجمان القرآن، ج ۲، ص۳۱۱۔

۴۰۔ سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام، ص۵۱۔

۴۱۔ شیخ الہند: ایضاح الادلہ، ص۲۶۶۔

۴۲۔ دمشقی: النفحات السّلفیہ، ص۹۴، آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲، ص۳۳۱۔

۴۳۔ ہاشمی: سیرت سعد بن ابی وقاص ص ۲۱۴، ۲۱۲۔

۴۴۔ امام احمد: المسند، ج ۱، ص۱۷۷۔

۴۵۔ نووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص۴۰۸۔

۴۶۔ امام احمد: المسند، ج ۱، ص ۱۷۵، طبری: تاریخ الامم و الملوک، ج ۳، ص ۱۴۶۔

۴۷۔ یہ تھے بنو اسد کی شاخ بنو الزبیر بن العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزی کے لوگ، الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۲۸۸۔

۴۸۔ سیوہاروی: اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۱۳۹، ۱۴۰۔

۴۹۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۲۸۹۔

۵۰۔ سندھی: شعور و آگہی، ص ۱۴۹۔

۵۱۔ القرآن: الانشراح، ۵۔

۵۲۔ علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۱۸۷۔

۵۳۔ القرآن: الاعراف، ۱۴۳۔

۵۴۔ القرآن: الانعام، ۱۰۴۔

۵۵۔ یہ ترلع کا ایک مفہوم ہے، الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۲۹۰۔

۵۶۔ راغب: المفردات فی غریب القرآن، ص ۵۱۰، باب النون۔

۵۷۔ سندھی: قرآنی عنوان انقلاب، ص ۶۴۔

۵۸۔ نووی: شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۱۰، الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۲۹۲۔

۵۹۔ نووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۰۹۔

٦٠۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۱۹۱، آلوسی: روح المعانی ج ۱۹، ص ۷۴، علی المتقی، کنز العمال، ج ۳، ص ۴۹۔

٦١۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، ج ۷، ص ۴۰۹۔

٦٢۔ راغب: المفردات فی غریب القرآن، ص ۳۹۷، باب الفاء۔

٦٣۔ القرآن: الحشر، ۸۔

٦٤۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۲۹۴۔

٦٥۔ نووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۱۔

٦٦۔ القرآن: ہود، ۶۴۔

٦٧۔ القرآن: الاعراف، ۷۴ تا ۷۸۔

٦٨۔ نووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۱۔

٦٩۔ ایضاً

٧٠۔ القرآن: البقرہ، ۱۴۳۔

٧١۔ مفتی محمد شفیع: معارف القرآن، ج ۱، ص ۳۷۱۔

٧٢۔ سندھی: قرآنی دستور انقلاب، ص ۲۵۔

٧٣۔ آزاد: ترجمان القرآن، ج ۲، ص ۳۳۱۔

٧٤۔ علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۲۷۔

٧٥۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۲۹۵۔

۷۶۔ ایضاً، ج ۷، ص ۲۹۶۔

۷۷۔ گیلانی: اسلام کا نظام مساجد (نقاب کشائی) ص ۱۴۔

۷۸۔ القرآن: یٰس، ۴۷۔

۷۹۔ سندھی: قرآنی دستور انقلاب، ص ۵۲، ۸۰۔

۸۰۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۲۹۷۔

۸۱۔ ابن ماجہ: سنن ص ۳۱۰، علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۴۶۸، راغب: المفردات فی غریب القرآن، ص ۲۶۰، باب الراء۔

۸۲۔ القرآن: الماعون، ۴ تا ۷۔

۸۳۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، ج ۷، ص ۲۹۷۔

۸۴۔ الجامی: الفوائد الضیائیہ، ص ۱۹۔

۸۵۔ الترمذی: الجامع ج ۲ ص ۱۰۲۔

۸۶۔ القرآن، الصف، ۳۔

۸۷۔ النووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۲۔

۸۸۔ القرآن: النور، ۱۹۔

۸۹۔ النووی: ریاض الصالحین، ص ۱۱۔

۹۰۔ النووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۳۔

۹۱۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۳۰۱۔

۹۲۔ النووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۲، الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۳۰۰۔

۹۳۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۳۰۱۔

۹۴۔ النووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۳۔

۹۵۔ علی المتقی: کنز العمال، ج ۲، ص ۱۸۹۔

۹۶۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۳۰۲۔

۹۷۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، ج ۷، ص ۳۰۳۔

۹۸۔ القرآن: الاعراف، ۱۶۳تا۱۶۶۔

۹۹۔ سیوہاروی: قصص القرآن، ج ۳، ص ۸۵۔

۱۰۰۔ احمد: المسند، ج ا، ص ۳۹۰۔

۱۰۱۔ القرآن: آل عمران، ۹۳۔

۱۰۲۔ السندی: حاشیتہ العلامہ، ج ۲، ص ۴۳۲۔

۱۰۳۔ القرآن: الاعراف، ۱۶۳۔

۱۰۴۔ سیوہاروی: قصص القرآن، ج ۳، ص ۸۶۔

۱۰۵۔ النووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۴۔

۱۰۶۔ القاری: مرقاۃ المفاتیح، ج ۱۰، ص ۴۷۔

۱۰۷۔ النووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۴۔

۱۰۸۔ علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۴۵۵۔

۱۰۹۔ النووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۴۔

۱۱۰۔ علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۴۵۹۔

۱۱۱۔ النووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۴۔

۱۱۲۔ الابی: اکمال اکمال المعلم، السنوسی: مکمل اکمال الاکمال، ج ۷، ص ۳۰۵۔

۱۱۳۔ النووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۵، ۴۱۴۔

۱۱۴۔ دہلوی: الفوز الکبیر، ص ۲۳۔

۱۱۵۔ القرآن: مریم، ۳۰، ۲۹۔

۱۱۶۔ دہلوی: حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۱۰۵۔

۱۱۷۔ النووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۶۔

۱۱۸۔ داناپوری: اصح السیر، ص ۸۱۔

۱۱۹۔ النووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۷۔

۱۲۰۔ رشید رضا: تفسیر المنار ج ۱، ص ۳۱۴۔

۱۲۱۔ بدر عالم: ترجمان السنہ، ج ۴، ص ۶۔

۱۲۲۔ جلبانی: شاہ ولی اللہ کی تعلیم، ص ۲۲۱، سندھی: قرآنی شعور انقلاب، ص ۳۵۳۔

۱۲۳۔ القرآن: التوبہ، ۴۰۔

۱۲۴۔ راغب: المفردات فی غریب القرآن، ص ۵۵۳، علی المتقی: کنز العمال، ج ۳، ص ۱۰۱۔

۱۲۵۔ النووی: شرح صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۱۹۔

مصادر و مراجع

۱۔ القرآن الحکیم۔

۲۔ الابی، محمد بن خلفہ، ابو عبداللہ، الوشانی المالکی (۸۲۷ھ) اکمال اکمال العلم (شرح صحیح مسلم) مصر: مطبعہ السعادہ بجوار مطافظتہ ۱۳۲۸ھ

۳۔ احمد بن حنبل، الامام (۲۴۱ھ) المسند بیرات: المکتب الاسلامی ۱۹۸۵ء، طبع پنجم۔

۴۔ آزاد، احمد، ابوالکلام (۱۹۵۸ء) ترجمان القرآن: لاہور، شیخ مبارک علی تاجر کتب۔

۵۔ الآلوسی، محمود، ابو الفضل، شہاب الدین، البغدادی (۱۲۷۰ھ) روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع لمثانی، ملتان: مکتبہ امدادیہ۔

۶۔ بدر عالم، محمد، مولانا (۱۳۸۵ھ) ترجمان السنہ، کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی۔

۷۔ بلیاوی، عبدالحفیظ، ابوالفضل، مصباح اللغات، دہلی: کتب برہان ۱۹۵۲ء، طبع دوم۔

۸۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورہ، ابو عیسیٰ، الامام (۲۷۹ھ) الجامع، کراچی: قرآن محل۔

۹۔ الجامی، عماد الدین بن عبدالرحمٰن بن احمد (۸۹۸ھ) الفوائد الفیائیہ فی شرح المقدمہ المسماہ بالکافیہ المعروف شرح ملا جامی مع الحواشی، لاہور: فاروقی کتب خانہ۔

۱۰۔ جلیانی، غلام حسین، پروفیسر شاہ ولی اللہ کی تعلیم، حیدر آباد، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، ۱۹۷۵ء۔

۱۱۔ الخطیب، محمد بن عبداللہ، ابو عبداللہ، ولی الدین، مشکاۃ المصابیح کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۳۹۴ھ۔

۱۲۔ داناپوری، عبدالرؤف قادری، ابوالبرکات، اصح السیر فی ہدی خیر البشر، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۳۹۴ھ۔

۱۳۔ الدمشقی، محمد، منیر الازہری، العلامہ، النفحات السّلفیہ، بشرح الاحادیث القدسیہ (مطبوعہ مع الاتحاف السنیہ الاحادیث القدسیہ للمحدث زین الدین عبدالرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین الحدادی ثم المناوی ۱۰۳۱ھ)

میدان الازہر: مکتبہ و مطبوعہ محمد صبیح واولادہ، ۱۹۷۳ء، طبع رابع۔

۱۴۔ الدہلوی، شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد، (۱۱۷۶ھ) حجۃ اللہ البالغہ، قاہرہ: ادارہ الطباعۃ المنیریہ، ۱۳۵۲ھ۔

۱۵۔ الدہلوی، شاہ ولی اللہ، قطب الدین احمد (۱۱۷۶ھ) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (عربی ترجمہ: علامہ محمد منیر ابو دمشقی الازہری) کراچی: میر محمد کتب خانہ مرکز علم وادب۔

۱۶۔ الراغب الاصفہانی، حسین بن محمد بن فضل (۵۰۲ھ) المفردات فی غریب القرآن کراچی: نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب ۱۹۶۱ء

۱۷۔ رشید رضا، سید محمد (۱۹۳۵ء) تفسیر القرآن الحکیم المشتہر باسم تفسیر المنار (علی طریقۃ الاستاذ الشیخ محمد عبادہ) مصر: مطبع المنار، ۱۳۴۶ھ، طبع اول۔

۱۸۔ سندھی، عبیداللہ مولانا (۱۹۴۴ء) شعور و آگہی (ترتیب: سید مطلوب علی زیدی) لاہور: عزیز پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء، طبع اول۔

۱۹۔ سندھی: عبیداللہ مولانا (۱۹۴۴ء) قرآنی دستور انقلاب (ترتیب: شیخ بشیر احمد لدھیانوی) لاہور: ادارہ نشریات اسلام۔

۲۰۔ سندھی: عبیداللہ، مولانا (۱۹۴۴ء) قرآنی عنوان انقلاب (ترتیب: شیخ بشیر احمد لدھیانوی) گوجرانوالہ، مکتبہ حنفیہ۔

۲۱۔ السندی، ابوالحسن، العلامہ، حاشیہ علی صحیح مسلم، مطبوعہ مع صحیح مسلم، کراچی، نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب، ۱۳۷۵ھ۔

۲۲۔ السوسی، محمد بن یوسف، الحسنی (۸۹۵ھ) مکمل اکمال الاکمال (شرح صحیح مسلم) مصر: مطبعۃ السعادۃ بجور محافظۃ ۱۳۲۸ھ۔

۲۳۔ سیوہاری، محمد حفظ الرحمٰن مولانا، (۱۹۵۸ء) اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی: ندوہ المصنفین ۱۹۴۲ء، طبع دوم۔

۲۴۔ سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن، مولانا (۱۹۸۵ء) قصص القرآن، لاہور: ناشران قرآن لمیٹڈ۔

۲۵۔ طبری، محمد بن جریر، ابو جعفر (۳۱۰ھ) تاریخ الامم والملوک (ترجمہ سید رشید احمد ارشد) لاہور: نفیس اکیڈمی، ۱۹۶۷ء طبع اول۔

۲۶۔ ظہیر الدین، مولانا، پورہ نوڈ بہادی، اسلام کا نظام ساجد (پیش لفظ مولانا مناظر احسن گیلانی) کراچی: دارالاشاعت۔

۲۷۔ ابن عابد بن محمد امین الشامی (۱۲۵۲ھ) حاشیۃ رد المختار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی۔

۲۸۔ علی المتقی بن حسام الدین، علاؤالدین، اہندی، البرہان پوری (۹۷۵ھ) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال۔

۲۹۔ الغزالی، محمد بن محمد، ابو حامد، الامام (۵۰۵ھ) احیاء علوم الدین، قاہرہ: موسسۃ الحلبی و شرکاہ للنشر والتوزیع، ۱۹۲۷ء۔

۳۰۔ القاری، علی بن سلطان محمد، الشیخ (۱۰۱۴ھ) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ملتان، مکتبہ امدادیہ۔

۳۱۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید، ابو عبداللہ (۲۷۳ھ) السنن، کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، ۱۳۸۱ھ۔

۳۲۔ محمد شفیع، مولانا، مفتی (۱۹۷۶ء) معارف القرآن، کراچی: ادارہ المعارف، ۱۹۸۰ء۔

۳۳۔ محمود حسن، شیخ الہند، مولانا (۱۹۱۹ء) ایضاح الادلہ، (تصحیح و اضافہ مولانا سید فخر الدین احمد مرحوم) کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۸۶ء۔

۳۴۔ النووی: یحیٰی بن شرف، محی الدین، ابوزکریا (۶۷۶ھ) ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین، لاہور: امجد اکیڈمی۔

۳۵۔ النووی: یحیٰی بن شرف، محی الدین، ابوزکریا (۶۸۶ھ) شرح صحیح مسلم، مطبوعہ مع صحیح مسلم، کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، ۱۳۷۵ھ۔

۳۶۔ ہاشمی، طالب، سیرت حضرت سعد بن ابی وقاص، لاہور: قومی کتب خانہ، ۱۹۷۴ء، طبع اول۔

- کتاب الادب العربی القصصی (درجة الماجستیر، السنة الاولی) — شبانه نذر
- کتاب الانشاء والمحادثة (لطلاب درجة الماجستیر) — عذرا فضل
- کتاب النثر العربی (درجة الماجستیر، السنة الاولی) — عذرا فضل
- الفوز الکبیر فی اصول التفسیر — حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
- ایمان کی چھاؤں میں — ڈاکٹر سعید الرحمٰن
- یورپ کے بانکے — عبدالحلیم شرر/ مرتب: ڈاکٹر فاروق عثمان
- نگاہِ شوق — عبدالحلیم شرر/ مرتب: ڈاکٹر فاروق عثمان
- شمع حرم — عبدالحلیم شرر/ مرتب: ڈاکٹر فاروق عثمان
- دل گداز — عبدالحلیم شرر/ مرتب: ڈاکٹر فاروق عثمان
- لیلیٰ کے خطوط — قاضی عبدالغفار/ ترتیب وتنقید: ڈاکٹر روبینہ ترین
- بیگمات کے آنسو — خواجہ حسن نظامی/ مرتبہ: ڈاکٹر عقیلہ جاوید
- بانگ درا (مع فرہنگ) — ڈاکٹر علامہ اقبالؒ/ فرہنگ وتوضیحات: ڈاکٹر فاروق عثمان
- آوازشناسی — خلیل صدیقی
- اُردو ڈرامے کی تاریخ — ڈاکٹر رشید احمد گوریجہ
- پاکستانی زبانوں کا ادب — حمید الفت ملغانی
- اُردو فکشن کی تاریخ — ڈاکٹر فرمان فتح پوری
- شرح ومتن غزلیات غالب — ڈاکٹر فرمان فتح پوری
- تحقیق کی بنیادیں — ڈاکٹر اسلم ادیب
- معاشیات اسلام کے چند بنیادی اصول — [illegible]

بیکن بُکس

info@beaconbooks.com.pk
www.beaconbooks.com.pk